نام کتاب : غاية المريد في شرح كتاب التوحيد

مولف : فضیلۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز بن محمد بن ابراہیم آل الشیخ

صفحات : ۲۹۶

ناشر : دار السلام

اصلی اہل سنت
ASLIAHLESUNNET

:: www.AsliAhleSunnet.com ::

باب : ۲۵

نجومیوں اور غیب کا دعویٰ کرنے والوں کا بیان ①

بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ فَصَدَّقَهُ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ يَوْمًا»(صحيح مسلم، السلام، باب تحريم الكهانة وإتيان الكهان، ح: ٢٢٣٠ دون قوله فصدقه فهو عند أحمد فى المسند: ٤/ ٦٨، ٥/ ٣٨٠)

---

① کہانت یعنی غیب کی خبریں جاننے کا دعویٰ کرنا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دینا توحید کے منافی ہے۔ کاہن درحقیقت مشرک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جنات کی عبادت کر کے' ان کا تقرب اور خوشنودی حاصل کر کے ان کی خدمات حاصل کرتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اسے بعض پوشیدہ اور مخفی باتیں بتا جاتے ہیں۔ قبل از اسلام بنیادی طور پر کاہن وہ ہوتے تھے جن کے متعلق لوگوں کا اعتقاد ہوتا کہ وہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں اور مستقبل میں' زمین پر یا کسی کے ساتھ جو امور پیش آنے والے ہیں وہ ان سے واقف ہیں۔ اس لیے لوگ ان کاہنوں سے ڈر کر ان کی خوب تعظیم کیا کرتے تھے۔

اس کی اصل حقیقت یوں ہے کہ جنات' چوری چھپے' فرشتوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو سن کر ان کاہنوں اور نجومیوں کو آکر بتا جاتے۔ اس کی تین صورتیں ہوتی تھیں:

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایسا بکثرت ہوتا کہ جنات' فرشتوں کی آپس میں ہونے والی گفتگو سن لیتے۔

(ب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد کوئی جن' فرشتوں کی باتیں نہ سن سکا۔ اگر کبھی شاذ و نادر ایسا ہوا بھی تو وہ اللہ کی وحی کے ماسوا ان کی آپس کی ہونے والی عام گفتگو ہی سن سکا۔

(ج) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جنات کے لیے فرشتوں کی گفتگو سننے کے مواقع دوبارہ پیدا ہو گئے مگر پہلے کی مانند کثرت سے نہیں' کیونکہ مختلف شہاب ثاقبوں کے ذریعے آسمان کی خوب حفاظت کر دی گئی۔ "کاہن" کو "عراف' رمال" اور "مُنَجِّم" بھی کہا جاتا ہے۔

''جس نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ دریافت کیا اور پھر اس کی بتائی ہوئی بات کو سچ سمجھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔ [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم»(سنن أبي داود، الكهانة والتطهير، باب في الكهان، ح: ٣٩٠٤)

''جس شخص نے کسی کاہن کے پاس جا کر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم»(مسند أحمد: ٢/ ٤٢٩، والمستدرك للحاكم: ١/ ٨ وسنن الكبرى للبيهقي: ٨/ ١٣٥)

''جس نے کسی نجومی یا کاہن کے پاس جا کر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔'' [2]

---

[1] شارحین نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ لفظ "فَصَدَّقَهُ" (اس کی بات کو سچ سمجھا) صحیح مسلم میں نہیں بلکہ مسند احمد میں ہے۔ چونکہ دونوں کی روایت ایک ہی ہے۔ اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اہلِ علم کے طریقہ کے مطابق ایک کے الفاظ کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیا۔

نماز کی عدم مقبولیت کا مفہوم: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجومیوں کے پاس جا کر ان سے احوال دریافت کرنا' ان کی باتوں کو سچ جاننا اتنا بڑا جرم ہے کہ چالیس دن تک ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز ادا کرے تو اس کی طرف سے ادا تو ہو جائے گی مگر اسے اس کا ثواب نہیں ملے گا۔ اور اس پر ان نمازوں کی قضا بھی واجب نہیں کیونکہ نجومی کے پاس جا کر اس سے احوال دریافت کرنے کا گناہ چالیس دنوں کی نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور یہ گناہ اس ثواب کو مٹا ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجومی سے احوال دریافت کرنے والا اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا نہ کرے' وہ بہرصورت گناہ گار ہے۔

[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہن' جادوگر' اور نجومی جھوٹ بولتے ہیں' سچ نہیں کہتے۔ یہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»(مسند البزار، ح:٣٠٤٤ ومجمع الزوائد، الطب، باب في السحر والكهانة . . . ، ح:٨٤٨٠)

"وہ شخص ہم میں سے نہیں جو فال نکالے' یا نکلوائے' کہانت کرے یا کرائے' جادو کرے' یا کرائے' اور جس کسی نے کاہن کے پاس جاکر اس کی باتوں کی تصدیق کی تو اس نے اس دین کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا۔"

اس حدیث کو بزار نے بسند جید روایت کیا ہے۔ جبکہ یہی حدیث' امام الطبرانی نے "المعجم الاوسط" میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اس میں "مَنْ اَتٰی کَاهِنًا" سے آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔ ①

امام بغوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "عراف" وہ ہے جو علامات کی روشنی میں چوری شدہ یا گم شدہ چیز کی نشان دہی یا اسی طرح کے دوسرے امور کی معرفت کا دعویٰ کرے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ "عراف" اور "کاہن" ایک ہی ہوتا ہے یعنی وہ شخص جو مستقبل میں رونما ہونے والے امور کی خبر دیتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دل کی بات بتائے وہ "کاہن" کہلاتا ہے۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس میں "کفر سے مراد' ملت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خروج نہیں بلکہ محض گناہ مراد ہے۔" (واللہ اعلم)

① "لَيْسَ مِنَّا"..... "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو....." کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ تمام اعمال حرام ہیں اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اعمال کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ کاہن کی باتوں کی تصدیق کرنے والے کے متعلق نبی علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اس نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا۔ کیونکہ کاہن کی تصدیق کرنے سے شرک اکبر میں اس کا تعاون پایا جاتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے بارے میں وعید ہے جو کاہن کے پاس جاکر اس سے کچھ دریافت کرے۔ رہا خود کاہن! تو اس کے متعلق ذکر کیا جاچکا ہے کہ وہ شرک اکبر کا مرتکب ہوتا ہے۔

ابوالعباس امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "عراف" ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق "کاہن' نجومی' رمال" اور اس قسم کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اپنے اپنے طریقوں سے بعض امور و واقعات کی خبر دیتے ہیں۔ ①

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

جو لوگ حروف ابجد لکھ کر حساب کرتے اور نجوم (ستاروں) سے رہنمائی لیتے ہیں میرے خیال میں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں کچھ نہیں۔ ②

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان اور کاہنوں کی تصدیق یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی متضاد ہیں' اس لیے یہ ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

② اس باب میں یہ صراحت بھی ہے کہ کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے۔

③ کہانت کروانے والے۔

④ فال نکلوانے والے۔

⑤ اور جادو کروانے والے کا حکم بھی معلوم ہوگیا کہ وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔

⑥ حروف ابجد لکھ کر حساب کرنے والوں کی مذمت بھی بیان ہوئی ہے۔

⑦ نیز اس باب میں "کاہن" اور "عراف" کے مابین فرق کی وضاحت کی گئی ہے۔

---

① فتاوی ابن تیمیہ: ۳۵/۱۷۳ کاہن بات کرتے اور بتاتے وقت یوں اظہار کرتا ہے گویا وہ یہ باتیں اپنے علم کی بنیاد پر کہہ رہا ہے۔ اس سے سامع دھوکا کھا جاتا ہے' حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اسے یہ علم جنات سے حاصل ہوتا ہے۔ مگر کمزور عقیدہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کاہنوں کے پاس خصوصی علم اور فن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں۔ اس لیے وہ مستقبل کے احوال سے واقف ہیں۔

② مصنف عبدالرزاق: ۱۱/۲۶ والسنن الکبری للبیہقی: ۸/۱۳۹

باب : ۲۶

جادو ٹونے کے ذریعے جادو کا علاج کرنے کی ممانعت [1]

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "نشرہ" یعنی جادو کے ذریعہ جادو کے علاج کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ»(مسند أحمد بسندٍ جيدٍ: ٣/ ٢٩٤ وسنن أبي داود، الطب، باب في النشرة، ح: ٣٨٦٨)

"یہ شیطانی عمل ہے۔"

امام ابوداود رحمہ اللہ کہتے ہیں' امام احمد رحمہ اللہ سے یہی مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سب کاموں کو ناجائز کہتے تھے۔" [2]

---

[1] جس شخص پر جادو کا اثر ہو' اس کا علاج کرنے کو "النشرۃ" یعنی جادو اتارنا کہتے ہیں۔
اس کی دو قسمیں ہیں: جائز اور ناجائز
اگر مریض کے کسی عضو پر جادو کا اثر ہو' اس کا علاج قرآن کریم' ادعیہ مسنونہ' اور اطباء کی دواؤں سے کیا جائے تو یہ جائز ہے۔
"نشرہ ممنوعہ" یعنی جادو کا ناجائز علاج یہ ہے کہ جادو کے ذریعہ جادو کا علاج کیا جائے اور اس کا اثر زائل کیا جائے۔
ظاہر ہے کہ علاج کرنے والا بھی جادوگر ہی ہوگا جو اس سلسلہ میں جنات کی طرف رجوع کرے گا' ان سے مدد مانگے گا اور فریاد کرے گا کہ وہ جادو کرنے والے جنات کے جادو کا اثر ختم کریں لہٰذا یہ شرک ہے۔
حدیث ہے: لَا یَحُلُّ السِّحْرَ اِلَّا سَاحِرٌ کہ جادو کو (غیر شرعی طریقہ سے) جادوگر ہی زائل کر سکتا ہے۔

[2] یعنی قرآنی تعویذات کے ذریعہ جادو کا علاج کرنے کو بھی انہوں نے ناجائز کہا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے ابن مسیب رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ اگر کسی پر جادو کا اثر ہو یا کوئی ایسا ٹونا جس کے سبب وہ اپنی بیوی کے قریب نہ آ سکتا ہو تو کیا اس کا دفعیہ کرنا یا اس کو باطل کرنے کے لیے کلام استعمال کرنا درست ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ''اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے پڑھنے والے کا مقصود اصلاح ہے' نفع مند اور مفید شے کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ ①

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''جادوگر ہی جادو کو (غیر شرعی طریقے سے) زائل کر سکتا ہے۔'' ②

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سحرزدہ سے جادو کو زائل کرنا ''نشرہ'' کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ایک قسم تو یہ ہے کہ جادو کو جادو کے ذریعہ زائل کیا جائے۔ یہ ناجائز اور شیطانی عمل ہے۔ اس صورت میں جادو کا علاج کرنے والا اور جادو سے متاثر' دونوں شخص شیطان کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس کے پسندیدہ کام کرتے ہیں اور وہ ایسے امور بجالاتے ہیں کہ شیطان خوش ہو کر سحرزدہ سے اپنا اثر ہٹالیتا ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول اسی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ سحرزدہ سے جادو کا اثر زائل کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ دم'

◄ لیکن اگر گلے میں تعویذات لٹکائے بغیر محض آیات و ادعیہ پڑھ کر اور پھونکنے سے علاج کیا جائے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام احمد رحمہ اللہ اسے جائز کہتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دم کیا اور اس کی اجازت بھی دی ہے۔

① (صحیح بخاری' الطب' باب هل یستخرج السحر' ۴۹ (تعلیقاً)) ابن مسیب رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جادو کا جو علاج جائز کلمات' ادعیہ مسنونہ' قرآنی آیات اور مباح دوا کے ذریعے کیا جائے' وہ درست ہے۔ اس کی کوئی ممانعت نہیں۔ مگر جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنے کی اجازت ابن مسیب رحمہ اللہ وغیرہ قطعاً نہیں دیتے۔

خلاصہ یہ کہ جادو' شرک کے ذریعے مؤثر اور اسی سے زائل بھی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جادو کا علاج جادو کے ذریعے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ البتہ جائز شرعی دم کے ذریعے جادو کا اثر ختم کیا جاسکتا ہے۔

② (فتح الباری' ۱۰/۲۸۷)

تعوذات' ادویات اور جائز و مباح ادعیہ کے ساتھ اس کا علاج کیا جائے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ [1]

مسائل

① اس باب سے ثابت ہوا کہ جادو کے ذریعے جادو کا علاج کرنا منع ہے۔

② اس باب میں وضاحت کے ساتھ جائز اور ناجائز علاج کا بیان کیا گیا ہے جس سے تمام اشکالات اور شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

---

[1] (زاد المعاد ۴/ ۱۲۴، ۱۸۱)

باب : ۲۷

بد فالی اور بد شگونی ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمْ عِندَ ٱللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣١﴾ ﴾

(الأعراف ۷/ ۱۳۱)

"خبردار! ان کی بد شگونی (نحوست) اللہ کے ہاں مقدر ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ ②

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَالُوا۟ طَٰٓئِرُكُم مَّعَكُمْ ۖ أَئِن ذُكِّرْتُم ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١٩﴾ ﴾

(یسن ۳۶/ ۱۹)

رسولوں نے کہا: تمہاری نحوست تمہارے ہی ساتھ ہے۔ کیا (تم یہ باتیں) اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی گئی ہے؟ بلکہ (حقیقت تو یہ ہے کہ) تم لوگ حد سے تجاوز کر چکے ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ عَدْوٰى وَلاَ طِيَرَةَ وَلاَ هَامَةَ وَلاَ صَفَرَ»(صحيح البخاري، الطب،

---

① یعنی کسی جانور یا پرندے یا اس کی کسی حرکت کو دیکھ کر اپنی کامیابی یا ناکامی پر بد فالی اور بد شگونی لینا یہ بھی توحید کے منافی اور شرک ہے۔

② یعنی انہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدر ہے۔ کوئی چیز ان کے لیے برا یا نیک شگون نہیں رکھتی۔ جانوروں سے بد فالی اور بد شگونی لینا انبیاء و رسل کے دشمن مشرکین کی مذموم عادت ہے۔ اہل ایمان اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

باب لا هامة، ح:٥٧٥٧ وصحيح مسلم، السلام، باب لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر، ولا نوء ولا غول، ح:٢٢٢٠، زاد مسلم: "ولا نوء ولا غول")

''کوئی بیماری متعدی نہیں' بدفالی اور بدشگونی کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ نہ اُلو کا بولنا (کوئی برا اثر رکھتا) ہے اور نہ ہی ماہ صفر (منحوس) ہے۔'' [1]

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے: ''ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ بھی بے اصل ہے اور بھوتوں کا بھی کوئی وجود نہیں۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ عَدْوٰى وَلاَ طِيَرَةَ وَيُعْجِبُنِي الْفَأْلُ قَالُوا: وَمَا الْفَأْلُ؟ قَالَ: الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ»(صحيح البخاري، الطب، باب لا عدوى، ح:٥٧٧٦ وصحيح مسلم، السلام، باب الطيرة والفأل ح:٢٢٢٤)

کوئی بیماری متعدی نہیں۔ نہ بدفالی و بدشگونی کی کچھ حقیقت ہے البتہ مجھے فال پسند ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: فال سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: عمدہ اور بہترین بات (سن کر حسن انجام کی امید رکھنا)۔ [2]

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بدفالی اور بدشگونی کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا ان سب سے بہتر فال ہے اور یہ کسی مسلمان کو اس کے مقصود سے روک نہ دے۔ چنانچہ جب کوئی شخص ناپسندیدہ چیز دیکھے تو یہ دعا کرے:

«اَللّٰهُمَّ لاَ يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلاَّ أَنْتَ، وَلاَ يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلاَّ أَنْتَ

---

[1] یعنی کوئی بیماری از خود متعدی نہیں ہوتی بلکہ اگر کسی بیماری کا اثر دوسرے تک پہنچتا ہے تو محض اللہ عزوجل کے اذن اور حکم ہی سے۔ دور جاہلیت میں لوگوں کا یہی اعتقاد تھا کہ بیماری طبعی طور پر خود اثر انداز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اعتقاد کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح بدفالی اور بدشگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک دلی وہم ہوتا ہے ورنہ اللہ کی قضاء اور تقدیر میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

[2] فال یعنی نیک شگونی میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن ہوتا ہے جبکہ بدفالی میں اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی جاتی ہے۔ اس لیے فال یعنی نیک شگونی ممدوح ہے اور بدفالی مذموم۔

وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ»(سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الطيرة، ح: ٣٩١٩)

''یااللہ! تیرے سوا کوئی بھلائیاں لا سکتا ہے نہ کوئی برائیوں کو دور کر سکتا ہے۔ اور تیری توفیق کے بغیر ہم میں بھلائی کی طاقت ہے نہ برائی سے بچنے کی ہمت۔''[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، وَمَا مِنَّا إِلاَّ وَلٰكِنَّ اللهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ»(سنن أبي داود، الكهانة والطيرة، باب في التطير، ح: ٣٩١٠ وجامع الترمذي، السير، باب ما جاء في الطيرة، ح: ١٦١٤)

''بدفالی شرک ہے' بدشگونی شرک ہے' اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جسے (بتقاضائے بشریت) ایسا وہم نہ ہوتا ہو مگر اللہ رب العزت توکل کی وجہ سے اس کو ہم سے رفع فرما دیتا ہے۔''[2]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے کسی کام سے بدفالی کی بنا پر رکا اس نے شرک کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اس کا کفارہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا کفارہ یہ دعا ہے:

«اَللّٰهُمَّ لاَ خَيْرَ إِلاَّ خَيْرُكَ، وَلاَ طَيْرَ إِلاَّ طَيْرُكَ وَلاَ إِلٰهَ غَيْرُكَ»(مسند أحمد: ٢/ ٢٢٠)

''یااللہ! تیری بھلائی کے علاوہ کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے شگون کے علاوہ کوئی شگون

---

[1] ''الطیرۃ'' (بدشگونی و بدفالی) لفظ عام ہے۔ اس لفظ میں جہاں بدشگونی پر مشتمل اقوال شامل ہیں وہاں ایسے اعمال بھی اسی کے زمرے سے ہیں جن سے بدشگونی لی جاتی ہے۔ جبکہ انسان کو اپنے معاملات میں نیک فالی سے کام لینا چاہئے کیونکہ نیک فالی سے انسان کا دل فراخ رہتا اور شیطان کے وسوسے سے پیدا ہونے والی دلی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنے دل میں نیک فالی پیدا کر لیتا ہے تو پھر شیطان کے وسوسے اس کے دل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔

[2] بدشگونی و بدفالی لینا شرک اصغر ہے۔ بسا اوقات ایک مسلمان و موحد آدمی کے دل میں بھی ⟸

نہیں۔ اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔ [1]

فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا الطِّيَرَةُ مَا أَمْضَاكَ أَوْ رَدَّكَ»(مسند أحمد: ١/ ٢١٣)

"بد شگونی وہ ہے جو تجھے کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرے یا اس سے روک دے۔"

مسائل

① اس باب میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۳۱ اور سورۂ یٰسٓ کی آیت ۱۹ کی تفسیر اور ان کا مفہوم بیان ہوا ہے۔

② اس باب کی احادیث میں امراض کے متعدی ہونے کی نفی ہے۔

③ اس میں بدفالی کی نفی بھی ہے۔

④ اور الو کی آواز سے بدفالی لینے کی ممانعت ہے۔

⑤ اور ماہ صفر کی نحوست کے عقیدہ کی بھی نفی ہے۔

⑥ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ نیک فالی منع نہیں بلکہ مستحب ہے۔

⑦ فال کے مفہوم کی بھی وضاحت ہوئی۔

⑧ یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر بادلِ نخواستہ بدفالی کے وساوس اور خیالات دل میں پیدا ہو

بد شگونی کا وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ بعید از امکان نہیں۔ لیکن چونکہ بندۂ مومن کا اللہ پر توکل اور بھروسہ ہوتا ہے اس لیے اسی توکل کی بنا پر اللہ عزوجل اس وسواس کو دفع کر ڈالتے ہیں۔

[1] بد شگونی کے شرک ہونے کا ضابطہ اور اصول یہ ہے کہ جب آدمی کے دل میں بد شگونی کا وسوسہ پیدا ہو اور وہ اس بد شگونی کی بنا پر اپنے کام سے رک جائے تب اس کا یہ عمل شرک ٹھہرے گا ورنہ محض وسوسہ پیدا ہونے سے انسان شرک کا مرتکب نہ ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُكَ..... کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے وہی خیر اور بھلائی مل سکتی ہے جس کا تو نے فیصلہ کر رکھا ہے اور وہی کچھ حاصل ہو سکتا ہے جو تو نے میرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ کیونکہ غیب کے سارے علم تیرے ہی پاس ہیں۔

جائیں تو وہ مضر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں۔

⑨ جس شخص کے دل میں بدفالی کے وساوس پیدا ہو جائیں وہ ان کو دور کرنے کے لیے ان احادیث میں بیان شدہ دعائیں پڑھ لیا کرے۔

⑩ اس بات کی بھی صراحت ہو گئی کہ بدفالی لینا شرک ہے۔

⑪ نیز اس بحث سے مذموم بدفالی کی بھی وضاحت ہوتی ہے۔

باب : ۲۸

علمِ نجوم کی شرعی حیثیت ①

صحیح بخاری میں قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو تین مقاصد کے لیے پیدا کیا ہے:

(۱) آسمان کی زینت کے لیے،

(۲) شیاطین کو مارنے اور بھگانے کے لیے،

(۳) بحر و بر میں راہ معلوم کرنے کے لیے۔

---

① علمِ نجوم کی تین قسمیں ہیں:

(الف) یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ ستارے از خود مؤثر ہوتے ہیں اور ان کے اثر سے زمینی حوادث رونما ہوتے ہیں۔ ایسا سمجھنا ان کی عبادت کے مترادف ہے۔ اہلِ علم کا اجماع ہے کہ ایسا عقیدہ کفر اور قوم ابراہیم کے شرک جیسا بڑا شرک ہے۔

(ب) علمِ نجوم کی دوسری قسم کا تعلق علم تاثیر سے ہے یعنی ان کی حرکات، ایک دوسرے سے ان کے قرب و بُعد یا ان کے طلوع و غروب سے زمینی حوادث پر استدلال کرنا۔ یہ کہانت یعنی غیب کی خبریں دینے کی مانند ہے۔ ایسا کرنے والے کو نجومی کہا جاتا ہے۔ نجومیوں کو یہ باتیں شیاطین بتا جاتے ہیں۔ یہ قسم بھی حرام، کبیرہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

(ج) علم نجوم کی تیسری قسم جسے "علم تسییر" کہا جاتا ہے، اس میں ستاروں کی رفتار و حرکات سے قبلہ اور اوقات یا موسموں وغیرہ کا تعین کیا جاتا ہے، بعض اہل علم نے اس کی اجازت دی ہے۔

اس لیے کہ یہ لوگ ستاروں کی رفتار و حرکات، ان کے ایک دوسرے سے قریب ہونے یا دور ہونے، یا ان کے طلوع و غروب سے، محض وقت اور زمانہ کا تعین کرتے ہیں۔ وہ ستاروں کی ان حرکات کو کسی کام کے لیے سبب اور اثر قرار نہیں دیتے۔ محض اتنی سی بات کرنے اور اسی مقصد کے لیے ستاروں کا علم حاصل کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلکہ اس کی اجازت ہے۔

جو شخص ان کے علاوہ کچھ اور سمجھتا ہے اس نے غلطی کی اور ہر قسم کی بھلائی سے خود کو محروم کر لیا۔ اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں۔ ①

حرب رحمہ اللہ کا بیان ہے:

قتادہ رحمہ اللہ نے منازل قمر کا علم سیکھنے کو مکروہ اور ناپسند گردانا ہے۔ اور ابن عیینہ رحمہ اللہ نے بھی اس علم کے حصول کی اجازت نہیں دی۔

امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق رحمہ اللہ نے اس علم کے حصول کی اجازت دی ہے۔ ②

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَقَاطِعُ الرَّحِمِ، وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ»(مسند أحمد: ٤/ ٣٩٩ وموارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح: ١٣٨١)

---

① (صحیح بخاری، بدء الخلق، باب فی النجوم) یہ باتیں قرآن کریم میں بھی بیان ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَزَيَّنَّا ٱلسَّمَآءَ ٱلدُّنيَا بِمَصَٰبِيحَ وَحِفظًا ﴾ (فصلت ٤١/ ١٢)

"ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے مزین کیا اور ان کو حفاظت کا ذریعہ بنایا۔"

شیاطین کے مارنے اور بھگانے کے معنی پر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ کا یہ قول کہ جس نے ستاروں کی تخلیق کا ان تین کے علاوہ کچھ اور مقصد سمجھا اس نے غلطی کی اور اس نے ایسے امر کا تکلف کیا جس کا اسے کچھ علم نہیں، اس لیے ہے کہ یہ ستارے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، ہمیں ان کے صرف انھی اسرار کا علم ہو سکتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع کرے۔

② کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَٱلقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُۥ مَنَازِلَ لِتَعلَمُواْ عَدَدَ ٱلسِّنِينَ وَٱلحِسَابَ ﴾ (یونس ١٠/ ٥)

"اور اس نے چاند کو روشن بنایا اور اس کی منازل مقرر کی ہیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو"۔

یہ آیت ستاروں کا علم حاصل کرنے کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ ان کا علم حاصل کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے احسان کا اندازہ ہو سکے گا۔

"تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے:

(۱) عادی شراب خور

(۲) قطع رحمی کرنے والا

(۳) اور جادو کو برحق ماننے والا" ①

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کن مصالح کے پیش نظر ستاروں کو تخلیق فرمایا ہے۔

② ستاروں کی تخلیق کے حوالے سے انھیں مزید کچھ سمجھنے والوں کی بھی اس بحث سے تردید ہوتی ہے۔

③ علم منازل قمر کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔

④ مذکور حدیث میں جادو کی تصدیق کرنے پر وعید بھی بیان ہوئی ہے۔

---

① پہلے بیان ہو چکا ہے کہ علم نجوم جادو کی ایک قسم ہے۔

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ النُّجُومِ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ»(سنن أبي داود، الطب، باب في النحوم، ح: ۳۹۰۵ ومسند أحمد: ۱/ ۲۷۷، ۳۱۱)

"جس نے علم نجوم کا جتنا حصہ سیکھا اس نے اسی قدر جادو سیکھا۔"

آج کل اخبارات و رسائل اور جرائد میں "ستارے کیا کہتے ہیں؟" کے عنوان سے عموماً مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ لوگ ان امور کی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ ستاروں اور برجوں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا یہی تو "کہانت" ہے۔ ہر علاقہ میں اس کی تردید اور مذمت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسے رسائل گھروں میں نہ لائے جائیں، خود پڑھے جائیں نہ کسی کو دیئے جائیں کیونکہ ان ستاروں اور برجوں کا علم حاصل کرنا، اپنی ولادت کے برج کو جاننا اور اپنے موافق ستارے کی معلومات رکھنا، اس کے متعلق تحریرات پڑھنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نجومی کے پاس جا کر اس سے احوال دریافت کیے جائیں۔ ایسی باتوں کو پڑھ کر ان کو درست سمجھنا اور ان کی تصدیق کرنا کفر ہے۔ والعیاذ باللہ:

باب : ۲۹

ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا کفر ہے ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (الواقعة٥٦/ ٨٢)

''اور تم نے اللہ کی (نعمتوں کی) تکذیب کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔'' ②

ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لاَ يَتْرُكُونَهُنَّ: اَلْفَخْرُ بِالأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الأَنْسَابِ، وَالاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَقَالَ: اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ، وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ»(صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، ح: ٩٣٤ ومسند أحمد: ٥/ ٣٤٢، ٣٤٤)

---

① تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہیں۔ توحید کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان کی نسبت بھی اسی کی طرف ہونی چاہئے۔ بارش بھی اسی کی نعمت ہے جو اسی کے حکم سے برستی ہے۔ بارش کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ ستاروں یا کسی دوسرے کی طرف نسبت کرنا زیادتی اور توحید کے منافی ہے' اس لیے کہ یہ تارے نزول بارش کے اسباب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش کے نزول کا سبب نہیں بنایا لہٰذا انہیں بارش کا سبب اور ذریعہ سمجھنا انتہائی غلط ہے۔ اسی طرح بارش اور دیگر نعمتوں کو ان کے حقیقی خالق و موجد کی بجائے غیراللہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔

② مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ تم نے اپنا وظیفہ یہ بنا رکھا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جھٹلا کر ان کو غیراللہ کی طرف منسوب کرتے ہو۔

''جاہلیت کے چار کام ایسے ہیں جنہیں میری امت کے لوگ ترک نہیں کریں گے:

(۱) حسب و نسب اور خاندانی شرف و فضیلت پر فخر کرنا [1]

(۲) دوسروں کے نسب اور خاندان میں نقص اور عیب نکالنا اور طعنہ زنی کرنا [2]

(۳) ستاروں کے اثر سے بارش برسنے کا عقیدہ رکھنا۔ [3]

(۴) نوحہ کرنا [4]

نیز آپ نے فرمایا کہ: ''نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے پہلے توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن اسے گندھک کی شلوار اور خارش کی قمیص پہنا کر اٹھایا جائے گا۔'' [5]

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ صَلاَةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلَى إِثْرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللهِ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي كَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ»(صحيح البخاري، الاستسقاء، باب قوله تعالى ﴿وتجعلون رزقكم أنكم تكذبون﴾ ح: ۱۰۳۸

---

[1] یعنی اپنے حسب و نسب پر ازراہ تکبر فخر کرنا

[2] یعنی لوگوں کے نسب پر خواہ مخواہ طعن کرنا یا کسی ضرورت یا شرعی دلیل کے بغیر کسی کے نسب کی تکذیب کرنا اور اسے غلط قرار دینا۔

[3] یہ عقیدہ رکھنا کہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوتی ہے۔

[4] کسی مصیبت و پریشانی کے موقع پر چیخ پکار کرنا اور کپڑے پھاڑنا اور زور زور سے رونا پیٹنا' یہ بھی صبر کے منافی اور جاہلیت کا کام ہے۔

[5] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ تمام امور مذموم ہیں اور جاہلیت کے کام ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو قبول اسلام کے باوجود جاہلیت کے کام کرے۔

وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، ح: ٧١)

''رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر رات بارش ہونے کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں' ان میں سے جنھوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ میرے مومن ہیں اور ستاروں کے کافر۔ اور جنھوں نے کہا کہ ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے ہوئی وہ میرے کافر ہوئے اور ستاروں پر ایمان لائے۔''[1]

اسی مفہوم کی ایک حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے' اس میں یوں ہے' آپ نے فرمایا:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارہ مفید ثابت ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات نازل فرما دیں''۔

﴿ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ ﴾ (الواقعة٥٦/ ٧٥_٨٢)

---

[1] ''اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ''..... ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' یہ جملہ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کے ساتھ خاص تھا یعنی آپ کی حیات شریفہ میں یہ جملہ کہا جاسکتا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کر کے آپ کو بتلا دیا جاتا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد چونکہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا ہے اس لیے ایسا کہنا ہرگز درست نہیں بلکہ اگر کسی انسان سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو اسے چاہیے کہ یہ کہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ ''اللہ ہی بہتر جانتا ہے'' اس حدیث مبارک میں بارش کی نسبت اللہ کی طرف کرنے والے کو مومن کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی نعمت (بارش) کو اللہ ہی کی طرف منسوب کیا ⟸

"مجھے قسم ہے ستاروں کی منازل کی۔ اگر سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن مجید بلند مرتبہ والا ہے۔ جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ اسے وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ تو پھر کیا تم اس کلام سے بے اعتنائی اور بے مروتی کرتے ہو اور اس کی تکذیب کرنے کو اپنا وظیفہ بناتے ہو۔"[1]

مسائل

① سورۃ الواقعہ کی آیات کی تفسیر ہے۔

② ان چار امور کا ذکر بھی ہے جو جاہلیت کی رسوم ہیں۔

③ ان چار میں سے بعض کام کفر ہیں۔

④ کفر کی بعض اقسام ایسی بھی ہیں جن کے ارتکاب سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

⑤ حدیث کے الفاظ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' میرے بندوں میں سے بعض نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں) سے معلوم ہوا کہ مومن و کافر کی پہچان حصول نعمت کی وجہ ہی سے ہوجاتی ہے۔

⑥ یہ بحث پڑھنے کے بعد ایمان کی حقیقت پر بھی خوب غور کرنا چاہیے کہ یہ کس قدر

ہے جو کہ اس کے ایمان کی دلیل روشن ہے۔

اور بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے کیونکہ اس نے اللہ کی نعمت کی نسبت غیراللہ کی طرف کردی۔

یاد رہے! اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بارش برسنے کا سبب یہ ستارے ہیں تو یہ عقیدہ کفر اصغر ہے اور اگر عقیدہ یہ ہو کہ ستارہ پرستوں کی دعا قبول کرکے لوگوں پر رحم کرتے ہوئے ان ستاروں ہی نے بارش برسائی ہے تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ کفر اکبر ہوگا۔

[1] (صحیح مسلم' الایمان' باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء' حدیث:۷۳)

نازک معاملہ ہے۔

⑦ کفر کی حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بعض اوقات بظاہر معمولی سی بات کہنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

⑧ ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھنا اور ان کو اپنے لیے مفید (یا نقصان دہ) سمجھنا انتہائی غلط بلکہ کفر ہے۔

⑨ "اَتَذَرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ؟" (جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟) سے ثابت ہوا کہ طالب علموں کو بات ذہن نشین کرانے کے لیے استفہامی انداز اختیار کرنا جائز ہے۔

⑩ اس باب میں نوحہ کی مذمت اور نوحہ کرنے والیوں کے لیے عذاب اور وعید کا ذکر بھی ہے۔

باب : ۳۰

اللہ تعالیٰ کی محبت دین کی بنیاد ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ ٱللَّهِ ۖ ﴾

(البقرة۲/ ۱٦٥)

"اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی چاہیے۔"

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَٰلٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ ﴿٢٤﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۲٤)

---

[1] یہاں سے ان قلبی عبادات کا بیان شروع ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں۔ عقیدۂ توحید کی تکمیل کے لیے ان قلبی عبادات کو بھی صحیح طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے لیے بجالانا ضروری ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے قلبی عبادات میں سے سب سے پہلے محبت کا ذکر کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ انسان کو ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کی یہ محبت "محبت عبادت" ہے کہ انسان کا اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اس قدر گہرا ہو اور اس کے ساتھ اس قدر محبت ہو کہ وہ بخوشی اس کے ہر حکم کو بجالائے اور اس کی ہر ممنوعہ بات سے اجتناب کرے۔ یہی جذبہ دین کا ستون اور اصلاح قلب کی بنیاد ہے۔ ایسا مضبوط اور گہرا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ غیر اللہ کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا بہت بڑا شرک ہے۔

"(اے محمد!) آپ کہہ دیں کہ اگر تمھارے آباء' بیٹے' بھائی' بیویاں' عزیز و اقارب اور جمع کردہ مال اور تجارت جس کے ماند پڑنے کا تمھیں خدشہ رہتا ہے اور تمھارے گھر جو تمھیں پسند ہیں' یہ چیزیں اگر تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) لے آئے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا۔"[1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب حب الرسول من الإيمان، ح:١٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب محبة الرسول أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين، ح:٤٤)

"تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنی اولاد' (ماں) باپ اور باقی تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔"[2]

انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں غیراللہ سے زیادہ محبت رکھنا اور محبت میں غیراللہ کو اللہ تعالیٰ سے مقدم سمجھنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے کیونکہ ایسا کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وعید فرمائی ہے۔ لہٰذا توحید کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ہر محبوب شے پر فوقیت دے۔

یاد رہے! ایک مسلمان' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت کرتا ہے وہ دراصل اللہ ہی سے محبت ہے نہ کہ اللہ کے مقابلہ میں' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا حکم اللہ ہی نے دیا ہے۔

[2] یعنی میری محبوب چیزوں کو غیر کی محبوب چیزوں پر اس قدر مقدم جانے کہ اس کے جی میں میری محبت' اس کی اولاد' ماں باپ اور تمام لوگوں کی محبت سے بڑھ کر ہو اور یقیناً اس محبت کا اظہار عمل سے ہو گا چنانچہ جو شخص اللہ کی عبادت' رغبت اور اس کے خوف اور ڈر کے ساتھ اس سے محبت رکھتا ہے وہ اس کی رضاجوئی کے لیے کوشاں ہوتا ہے اور اسکی ناراضی سے بچنے کی بھی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھے گا وہ آپ کی رضامندی کا خواہاں اور آپ کی ناراضی سے دور رہنے والا ہو گا۔

«ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ، أَنْ يَّكُونَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لاَ يُحِبُّهُ إِلاَّ للهِ، وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب حلاوة الإيمان، ح:١٦، ٢١، ٦٩٤١ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهن وجد حلاوة الإيمان، ح:٤٣)

''تین اوصاف جس آدمی میں ہوں وہ ان کی بدولت ایمان کی مٹھاس پالیتا ہے:[1]

(۱) وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو سب سے زیادہ محبوب سمجھے۔

(۲) کسی سے محبت کرے تو محض اللہ تعالیٰ کے لیے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچالیا ہے تو اب وہ کفر کو اس طرح ناپسند کرے جس طرح آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے۔''

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«لاَ تَجِدُ أَحَدٌ حَلاَوَةَ الإِيمَانِ حَتَّى . . . » (صحيح البخاري، الأدب، باب الحب في الله، ح:٦٠٤١)

''کوئی شخص اس وقت تک ایمان کی حلاوت (مٹھاس) نہیں پاسکتا جب تک (اس میں مذکورہ تین اوصاف نہ ہوں۔)''

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«مَنْ أَحَبَّ فِي اللهِ، وَأَبْغَضَ فِي اللهِ، وَوَالٰى فِي اللهِ، وَعَادٰى فِي اللهِ، فَأَنَّمَا تُنَالُ وَلاَيَةُ اللهِ بِذٰلِكَ وَلَنْ يَّجِدَ عَبْدٌ طَعْمَ الإِيمَانِ وَإِنْ كَثُرَتْ صَلاَتُهُ وَصَوْمُهُ حَتَّى يَكُونَ كَذٰلِكَ، وَقَدْ صَارَتْ عَامَّةُ مُؤَاخَاةِ النَّاسِ عَلٰى أَمْرِ الدُّنْيَا، وَذٰلِكَ لاَ يُجْدِي عَلٰى أَهْلِهِ شَيْئًا»

---

[1] اس سے وہ مٹھاس اور حلاوت مراد ہے جو ایمان کی تکمیل کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور مومن اپنی روح میں اسے محسوس کرتا ہے۔

(رواه ابن المبارك في كتاب الزهد، ح:٣٥٣ وابن أبي شيبة في المصنف الشطر الأول فقط، ح:٣٤٧٥٩ وأخرجه الطبراني أيضا موقوفا على ابن عمر في المعجم الكبير: ١٢/ ١٣٥٣٧)

''جو شخص کسی سے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھے' اور اللہ ہی کے لیے کسی سے بغض رکھے' اور کسی سے دوستی ہو یا دشمنی وہ بھی محض اللہ ہی کے لیے ہو تو جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی) انہی کاموں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (یعنی انہی کاموں سے انسان اللہ کا ولی اور محبوب بن سکتا ہے) اور کوئی بھی شخص ان امور کے بغیر ایمان کا ذائقہ اور چاشنی حاصل نہیں کر سکتا خواہ وہ بکثرت نمازیں پڑھتا ہو یا بکثرت روزے رکھتا ہو۔ عام لوگوں کی آپس میں محبت اور تعلقات دنیوی امور پر استوار ہیں' حالانکہ یہ عمل ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں قطعاً سود مند نہ ہو گا۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے

﴿ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ ٱلْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٦٦)

(''قیامت کے روز ان کے سارے اسباب و وسائل ختم ہو جائیں گے۔'') کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں اسباب و وسائل سے ''دوستی' محبت اور تعلقات'' مراد ہیں۔ ①

مسائل

① سورۂ بقرۃ کی آیت ۱۶۵ کی تفسیر معلوم ہوئی۔

② سورۂ توبہ کی آیت ۲۴ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

③ اپنی جان' اہل و عیال اور مال و منال کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت نبی ﷺ سے ہونی چاہیے۔

④ بعض اوقات ایمان کی نفی کا مطلب دائرہ اسلام سے خروج نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایمان کی کمی مراد ہوتی ہے۔

---

① (تفسیر ابن جریر' ۲۰۰۴ و تفسیر ابن ابی حاتم' ۱۴۹۲)

⑤ ایمان کی ایک چاشنی ہے تاہم کبھی اس کا احساس ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

⑥ چار قلبی اعمال ایسے ہیں جن کے بغیر انسان اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی اور محبت) حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ان کے بغیر ایمان کا ذائقہ چکھ سکتا ہے۔

⑦ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واقعات و حقائق کی روشنی میں جانتے تھے کہ عام لوگوں کے باہمی تعلقات اور میل جول محض دنیا کی خاطر ہیں۔

⑧ اس باب سے "وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَاب" کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے۔

⑨ بعض لوگ مشرک ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں۔

⑩ سورۂ توبہ کی آیت میں مذکورہ آٹھ اشیاء جس شخص کو اپنے دین سے زیادہ پیاری ہوں، اس کے لیے سخت عذاب کی وعید ہے۔

⑪ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا اپنے باطل معبود سے اللہ تعالیٰ کی سی محبت رکھنا بھی "شرک اکبر" ہے۔

باب : ۳۱

اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُۥ ۖ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۵)

"یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔" ②

---

① اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف بھی عبادت ہے۔ اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اس عبادت کی تکمیل سے توحید کی تکمیل اور اس میں کمی سے توحید میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔ غیراللہ کا خوف بعض صورتوں میں شرک، بعض میں حرام اور بعض صورتوں میں مباح ہوتا ہے۔

خوف کی پہلی قسم: کسی نبی، ولی یا جن سے اس انداز سے ڈرنا کہ وہ انسان کو نقصان پہنچا دے گا یا اس کا کچھ بگاڑ دے گا یا یہ سمجھنا کہ فلاں نبی، ولی یا جن کی تعظیم کی جائے تو وہ آخرت میں میرے کام آئے گا، میرے حق میں سفارش کرے گا، اور مجھ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو رفع کرے گا۔ اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو آخرت میں میرے کام نہ آئے گا، سفارش کرے گا نہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجھ سے دور کرے گا..... کسی سے اس قسم کا خوف کھانا "شرک" ہے۔

خوف کی دوسری قسم: مخلوق کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی خلاف ورزی کرنا، اس قسم کا خوف رکھنا حرام ہے۔

خوف کی تیسری قسم "طبعی خوف" ہے۔ مثلاً انسان کا اپنے کسی دشمن سے، درندوں سے، یا آگ وغیرہ سے خوف کھانا طبعی اور فطری ہے۔ اس پر کوئی گناہ یا مواخذہ نہیں۔

② اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بسا اوقات شیطان، اہل توحید کے دلوں میں ان کے دشمنوں کا خوف پیدا کر ڈالتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا "فَلَا تَخَافُوهُمْ" ..... "ان سے ہرگز نہ ڈرنا" یعنی ان سے ڈرنا ⟵

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ فَعَسَىٰٓ أُو۟لَٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۸)

''اللہ کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ یقیناً ایسے لوگ ہی ہدایت پانے والوں میں سے ہیں۔'' ①

نیز ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ فَإِذَآ أُوذِىَ فِى ٱللَّهِ جَعَلَ فِتْنَةَ ٱلنَّاسِ كَعَذَابِ ٱللَّهِ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۱۰)

''اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے مگر جب ان کو اللہ کی راہ میں کوئی ایذا پہنچے تو وہ لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے وہ اللہ کا عذاب ہو۔'' ②

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ ضَعْفِ الْيَقِينِ أَنْ تُرْضِيَ النَّاسَ بِسَخَطِ اللهِ، وَأَنْ

حرام ہے کیونکہ اس قسم کا خوف عبادت کے زمرے میں آتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے گویا اللہ تعالیٰ نے شرک ہی کی ایک قسم سے منع فرمایا ہے اور اس کے بعد فرمایا "وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ" ..... ''اگر مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو'' اللہ کے اس حکم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ خوف بھی دیگر عبادات کی طرح ایک عبادت ہے۔

① اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن کے دل میں محض اللہ کی خشیت ہونی چاہئے کیونکہ اللہ نے ان لوگوں کی مدح و تعریف اسی لیے کی ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی خشیت پیدا نہیں ہوتی۔ یاد رہے! لفظ خشیت کا مفہوم اور استعمال لفظ خوف کی بہ نسبت خاص ہے۔

② یعنی لوگوں کی ایذا سے ڈر کر اللہ کے واجبات کو ترک کر دیتے ہیں یا لوگوں کی باتوں سے ڈرتے ہوئے اللہ کے حرام کردہ امور کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں۔

تَحْمَدَهُمْ عَلٰى رِزْقِ اللهِ، وَأَنْ تَذُمَّهُمْ عَلٰى مَا لَمْ يُؤْتِكَ اللهُ، إِنَّ رِزْقَ اللهِ لاَ يَجُرُّهُ حِرْصُ حَرِيصٍ، وَّلاَ يَرُدُّهُ كَرَاهِيَةُ كَارِهٍ»(شعب الإيمان، الخامس من شعب الإيمان، وهو باب في أن القدر. . . ، ح:٢٠٧)

''بلاشبہ یہ (ایمان اور اللہ پر) یقین کی کمزوری کی علامات ہیں کہ تو اللہ کی ناراضی مول لے کر لوگوں کو خوش کرے۔ اور اللہ نے جو رزق لوگوں کو دے رکھا ہے اس پر تو ان کی مدح وستائش کرے اور جو رزق اللہ نے (لوگوں کو دیا ہے لیکن) تجھے نہیں دیا اس پر تو ان کی مذمت کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رزق کو نہ کسی حریص کا حرص کھینچ کر لا سکتا ہے اور نہ کسی ناپسند کرنے والے کی ناپسندیدگی اسے روک سکتی ہے۔''①

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَأَرْضٰى عَنْهُ النَّاسَ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ سَخِطَ اللهُ عَلَيْهِ وَأَسْخَطَ عَلَيْهِ النَّاسَ»(موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان، ح:١٥٤١-١٥٤٢ وجامع الترمذي، ح:٢٤١٤ وله الفاظ أخرى)

''جو شخص لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی رکھے' اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی رکھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا کا طالب ہو' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔''②

---

① مذکورہ اعمال' ایمان کی کمزوری کے اسباب اور علامات ہیں اور ایمان کو کمزور کرنے والے اعمال' حرام امور ہی ہوا کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت سے ایمان بڑھتا اور نافرمانی اور معصیت سے کم ہوتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا' معصیت' گناہ اور حرام ہے۔

② اس حدیث میں بیان ہے کہ جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے اللہ تعالیٰ اس سے خود بھی راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی اور خوش رکھتا ہے۔ اور جو شخص لوگوں کا خوف دل میں ⟵

مسائل

① اس باب سے سورۂ آل عمران کی آیت ۱۷۵ کی تفسیر ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب ہے۔

② سورۂ توبہ کی آیت ۱۸ کی تفسیر بھی واضح ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرنے والوں کی صفات مذکور ہیں۔

③ سورۃ العنکبوت کی آیت ۱۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی جس میں کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے۔

④ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کبھی قوی اور کبھی کمزور ہوتا رہتا ہے۔

⑤ ایمان کی کمزوری کی تین علامات بھی بیان ہوئی ہیں۔

⑥ یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اسی کا خوف کھانا ایک دینی و شرعی فریضہ ہے۔

⑦ اس تفصیل سے' صرف اللہ تعالیٰ کا خوف' ڈر اور خشیت رکھنے والوں کی فضیلت اور ان کو اس کے نتیجے میں ملنے والے ثواب کا علم بھی ہوگیا۔

⑧ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص غیراللہ سے ڈرے اور اس کا خوف کھائے اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔

◄ رکھے اور ان سے ڈر کر حرام کا ارتکاب کرے یا کسی شرعی فریضہ کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دیتا ہے۔

باب : ۳۲

صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا چاہیے ①

اللہ ذوالجلال کا فرمان ہے:

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَتَوَكَّلُوٓاْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲۳)

"اور اگر تم صاحب ایمان ہو تو صرف اللہ پر توکل کرو۔" ②

---

① اس باب میں مسئلہ توکل کا بیان ہے۔ اللہ پر توکل کرنا' دین و ایمان کی تصحیح و تکمیل کے لیے شرط ہے۔ شرعی طور پر توکل کا مفہوم یہ ہے کہ تمام قلبی عبادات کو اللہ ہی کے لیے بجالانا یعنی اپنے تمام تر امور و معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ اسباب و ذرائع بھی اختیار کرنا۔ چنانچہ متوکل (اللہ پر توکل کرنے والا) وہ شخص ہوگا جو اسباب و ذرائع اختیار کرنے کے بعد اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اس سبب سے نفع' اللہ کے حکم ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور جس کام کے لیے یہ سبب اختیار کیا گیا ہے وہ بھی محض اللہ کی توفیق و اعانت ہی سے پورا ہو سکتا ہے کیونکہ تمام تر اختیارات اس مالک کے پاس ہی ہیں۔ گویا توکل خالص قلبی عبادت ہے۔

غیر اللہ پر توکل کی دو صورتیں ہیں:

(الف) جو امور صرف اللہ کے اختیار میں ہیں اور مخلوق میں سے کسی کی قدرت میں نہیں' ان میں غیر اللہ پر توکل کرنا' مثلاً گناہوں کی مغفرت' اولاد و معاش کا حصول وغیرہ' شرک اکبر اور توحید کے منافی ہے اور اکثر اس کا ارتکاب قبر پرست اور اولیاء پرست لوگ کرتے ہیں۔

(ب) جن امور کی اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو قدرت دے رکھی ہے ان میں مخلوق پر توکل کرنا شرک خفی یا شرک اصغر ہے۔ مثلاً یوں کہنا کہ میرا اللہ پر اور تم پر توکل ہے یا میرا اللہ پر اور پھر تم پر توکل ہے' ناجائز ہے اس لیے کہ توکل کا تعلق مخلوق کے ساتھ ہے ہی نہیں کیونکہ' جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے' توکل کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے امور و معاملات کو اس اللہ کے سپرد کرنا جس کے قبضہ و اختیار میں سارے امور ہیں جبکہ مخلوق میں سے کسی کے پاس کوئی قدرت و اختیار نہیں' البتہ مخلوق کو سبب اور ذریعہ ضرور بنایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا مخلوق کو سبب اور ذریعہ بنانے کا مطلب قطعاً یہ نہیں کہ اس پر توکل بھی کیا جائے۔

② اس آیت مبارکہ میں یہ حکم ہے کہ اللہ ہی پر توکل کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ توکل ایک ⟵

اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ ءَايَٰتُهُۥ زَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ۲)

''صحیح معنوں میں اہل ایمان وہ ہیں جن کے دل' اللہ کے ذکر سے لرز جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔''①

نیز اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾ ﴾ (الأنفال۸/ ٦٤)

''اے نبی! آپ کو اور آپ کے پیروکار اہل ایمان کو بس اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔''②

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٣)

''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو اس کے لیے وہی کافی ہے۔''③

مستقل عبادت ہے۔

آیت کے الفاظ "وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ توکل محض اللہ پر ہونا چاہئے اور آیت کا آخری جملہ "اِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْن" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان کی تصحیح اور تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اللہ ہی پر توکل کیا جائے' اس کے سوا مخلوق میں سے کسی پر توکل نہیں ہونا چاہئے۔

① آیت کے الفاظ "وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْن" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مومن صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی اس صفت کو بطور خاص بیان کیا ہے اور اصل ایمان کا بلند ترین مقام و مرتبہ بھی یہی ہے۔

② "..... حَسْبُكَ اللّٰهُ....." اے نبی! تجھے اور تیرے پیروکار مومنین کو توکل کرنے کے لیے اللہ عزوجل کی ذات ہی کافی ہے۔ اس کی بعد کسی اور پر توکل کرنے کی ضرورت نہیں اسی لیے فرمایا: "وَمَنْ يَّتَوَكَّل....." اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے وہ اسے کافی ہے۔

③ توکل علی اللہ کا دارومدار' توحید ربوبیت کو سمجھنے اور اس پر کامل ایمان رکھنے پر ہے اسی لیے بعض لوگ مشرک ہونے کے باوجود اللہ پر بہت توکل کرتے ہیں۔ کیونکہ توحید الوہیت پر تو ان کا ایمان نہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا:

﴿ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔''

اسی طرح جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

﴿ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَٰنًا ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''کہ کافروں نے آپ کے مقابلہ کے لیے لشکر جمع کر لیا ہے ان سے ڈرو تو ان کا ایمان مزید بڑھ گیا اور کہنے لگے:

﴿ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۷۳)

''ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے'' [1]

مسائل

① اس بحث سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اور بھروسہ رکھنا دینی فریضہ ہے۔

◄ ہوتا لیکن توحید ربوبیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ یاد رہے! اللہ کی ربوبیت کے آثار میں غور و خوض کرنے سے دل میں توکل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان اللہ کی عظیم بادشاہت اور آسمان و زمین کے مستحکم و مضبوط نظام کو دیکھتا اور اس کے بارے میں سوچ بچار کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اس قدر پائیدار اور مربوط نظام کو چلانے والے مالک اور مولیٰ کے لیے میری چھوٹی سی ضرورت پوری کرنے اور میری مدد کرنے میں کون سی مشکل ہے۔ اسی تدبر سے مومن کا ایمان اور اللہ پر توکل مزید بڑھ جاتا اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

[1] (صحیح بخاری، التفسیر، تفسیر سورۃ آل عمران، حدیث: ۴۵۶۳) اس تفسیر سے اس کلمہ (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيل) کی اہمیت و عظمت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو جلیل القدر انبیاء نے انتہائی مشکل میں بھی یہی کلمہ دہرا کر اللہ تعالیٰ پر اپنے توکل کا اظہار و اعلان فرمایا۔

بندہ جب اپنے رب پر توکل کر لے تو زمین و آسمان کی ساری مخلوقات مل کر بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کر کے اس کو مشکل سے نجات دلاتا اور اسکے لیے راہیں آسان کر دیتا ہے۔

② اور یہ ایمان کی شرطوں میں سے بھی ہے۔

③ اس تفصیل سے سورۃ الانفال کی آیت ۲ کی تفسیر بھی ہوئی۔

④ واضح رہے کہ سورۃ الانفال کی اس آیت کی تفسیر آخری جملہ "وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ" ہے۔

⑤ سورۃ الطلاق کی آیت ۳ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں ان کے لیے وہی کافی ہے۔

⑥ کلمہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْل" کی اہمیت' فضیلت اور عظمت بھی عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی مشکل اور شدید پریشانی کے عالم میں یہی کلمہ پڑھا۔

باب : ۳۳

اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہونا چاہیے

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۹۹)

"کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہیں۔ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہوں۔

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/ ۵۶)

"اور گمراہ لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔" ①

---

① پہلی آیت میں بیان ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے بلکہ وہ اس کی گرفت اور عذاب سے بے خوف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ایک قلبی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے تمام امور اس حد تک آسان کر دے کہ وہ اس زعم میں مبتلا ہو جائے کہ اب وہ مکمل طور پر محفوظ ہے' اب اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ حالانکہ یہ مہلت اس کے حق میں استدراج یعنی ڈھیل ہوتی ہے' جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا رَأَيْتَ اللهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا وَهُوَ مُقِيمٌ عَلَى مَعَاصِيهِ فَاعْلَمُوا أَنَّ ذٰلِكَ اِسْتِدْرَاجٌ»(مسند أحمد: ٤/ ١٤٥)

"جب تم دیکھو کہ کوئی بندہ مسلسل گناہ کیے جا رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے مزید انعامات سے نواز رہا ہو تو سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج یعنی مہلت اور ڈھیل ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ یہ تدبیر انہی لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے انبیاء و اولیاء اور اس کے دین کے ساتھ خفیہ تدبیریں اور مکر و فریب کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے کیونکہ وہ اپنی عزت و قدرت ⟵

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلشِّرْكُ بِاللهِ، وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ، وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللهِ»(مسند البزار، ح:١٠٦ ومجمع الزوائد:١/ ١٠٤)

''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا' اور اللہ کی تدبیر اور گرفت سے بے خوف ہونا۔''[1]

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اور غلبہ و سلطنت کے اظہار کے لیے ایسا کرتا ہے۔

دوسری آیت میں بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے' گمراہ لوگ ہی مایوس رہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور ہدایت یافتہ لوگ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

عبادت الٰہی کے کمال کے سلسلہ میں یہ بھی لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا خوف اور اس کی رحمت کی امید رکھی جائے جو کہ شرعاً واجب ہے۔

جو شخص تندرست مگر گناہ گار ہو اس کے دل میں رحمت کی امید کی نسبت گرفت کے خوف والا پہلو غالب ہونا چاہیے۔ اسی طرح جو بیمار موت کے کنارے پہنچ چکا ہو اس کے دل میں خوف کی نسبت امید کا پہلو غالب رہنا چاہیے اور معمول کی زندگی گزارنے والے اور نیکی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے کے دل میں امید اور خوف تقریباً برابر برابر ہونے چاہئیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ﴿٩٠﴾ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٩٠)

''یہ لوگ (دنیا کی زندگی میں) بڑھ چڑھ کر نیکیاں کیا کرتے اور رغبت اور ڈر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ہماری عبادت کرتے اور ہم سے ڈرتے رہتے تھے۔''

[1] اللہ کی رحمت کی امید ترک کر دینے کا نام مایوسی ہے اور اس کے عذاب اور گرفت سے نہ ڈرنے کا مطلب اس کی تدبیر سے بے خوف ہونا ہے۔ جبکہ دل میں ان دونوں (رحمت کی امید اور عذاب کا ڈر) کا ہونا ضروری ہے اور دونوں کے دل سے نکل جانے یا ان میں کمی واقع ہونے سے توحید میں نقص اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔

«أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ: الإِشْرَاكُ بِاللهِ، وَالأَمْنُ مِنْ مَكْرِ اللهِ، وَالْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ، وَالْيَأْسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ»(مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ٤٥٩ ومعجم الكبير للطبراني، ح: ۸۷۸۳)

''سب سے بڑے گناہ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہونا' اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اللہ کے فضل سے مایوس ہونا۔''[1]

مسائل

① اس باب سے سورۃ الاعراف کی آیت ۹۹ کی تفسیر معلوم ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف رہنے والوں کو خسارہ پانے والے قرار دیا گیا ہے۔

② سورۃ الحجر کی آیت ۵۶ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونے والے لوگ گم راہ ہیں۔

③ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف رہنا اور

④ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

---

[1] اللہ کی رحمت سے ناامیدی' اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ لفظ رحمت' عموماً اللہ کے انعامات کے حصول اور آفات سے محفوظ رہنے پر بولا جاتا ہے جبکہ رَوْح سے اللہ کی وہ خصوصی مہربانی مراد ہے جس کے ذریعے مصائب سے چھٹکارا ملتا ہے۔

باب : ۳۴

اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا ایمان باللہ کا حصہ ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١﴾ ﴾ (التغابن ٦٤/ ١١)

"اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے' اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔" [2]

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علقمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر اس پر راضی ہو اور دل سے اسے تسلیم کرے۔" [3]

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر کرنا انتہائی عظیم الشان اور جلیل القدر عبادت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا اور اس کی منہیات سے رکنا صبر ہی سے ممکن ہے۔ صبر کی تین اقسام ہیں:

زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرنا' قلبی طور پر ناراضی محسوس نہ کرنا اور اعضاء کے ذریعہ بے صبری کا اظہار نہ کرنا..... یہ سب صبر ہی ہے۔

[2] یعنی جو شخص اللہ پر ایمان لا کر اس کی کماحقہ تعظیم کرے' اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کے نواہی سے بچ کر رہے تو اللہ اس کے دل کو عبادات' صبر اور اس کی تقدیر پر راضی رہنے پر تیار کر دیتا ہے۔

[3] (تفسیر ابن جریر الطبری' رقم ٢٦٤٩٦) علقمہ رحمہ اللہ کا قول نہایت درست اور صواب پر مبنی ہے۔ یاد رہے! مصائب اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آتے ہیں اور تقدیر کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی حکمت پر ہوتا ہے اور اللہ عزوجل کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ ہر امر کو اس کے انجام کے مناسب و موافق مقام پر رکھا جائے جس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ جب بھی بندے کو مصیبت پہنچے تو اللہ کی طرف سے بندے کے لیے اسی میں خیر ہوتی ہے۔ اب اگر اس پر صبر کرے گا تو عنداللہ ماجور ہو گا اور اگر ناراضی کا اظہار اور شکوہ کرے گا تو گناہ گار ٹھہرے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر على الطعن في النسب والنياحة، ح: ٦٧، ومسند أحمد: ٢/ ٣٧٧، ٤٤١، ٤٩٦)

''لوگوں میں دو کام ایسے ہیں جو کفر ہیں' ایک تو کسی کے نسب پر طعن کرنا اور دوسرے میت پر نوحہ کرنا۔'' ①

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ، وَشَقَّ الْجُيُوبَ، وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ»(صحيح البخاري، الجنائز، باب ليس منا من ضرب الخدود، ح: ١٢٩٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية، ح: ١٠٣ ومسند أحمد: ١/ ٣٨٦، ٤٣٢، ٤٤٢)

''جو شخص صدمے کے وقت چہرے پر دو ہتڑ مارے' گریبان پھاڑے' اور جہالت کے بول بولے' وہ ہم میں سے نہیں۔'' ②

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

① دو کام ایسے ہیں جو اکثر لوگوں میں موجود ہیں اور موجود رہیں گے: نسب پر طعن کرنا اور نوحہ کرنا۔ زور سے رونا پیٹنا' چیخنا اور چلانا نوحہ ہے جو کہ صبر کے خلاف ہے۔ کسی پریشانی کے موقع پر صبر کرنے کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے اعضا پر کنٹرول رکھے' زور زور سے نہ روئے' چہرے پر یا جسم کے کسی حصے پر دو ہتڑ نہ مارے' دامن نہ پھاڑے' اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرے۔

ان کاموں کے کفر ہونے کا یہ مفہوم نہیں کہ جو شخص یہ کام کرے وہ کافر ہو جاتا ہے یا وہ دین اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جو شخص یہ کام کرے یا جس میں یہ خصلت پائی جائے اس میں یہ خصلت کفار کی ہے۔ گویا یہ کفار کا کام ہے' مسلمانوں کا نہیں۔

② گویا صدمہ کے وقت بے صبری اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر رضامند نہ ہونا کبیرہ گناہ ہے۔ نیکی سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے جبکہ گناہوں سے ایمان میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اور ایمان میں کمزوری' توحید میں کمزوری ہوتی ہے اس لیے بے صبری ایمان اور توحید دونوں کے منافی ہے۔

«إِذَا أَرَادَ اللهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا، وَإِذَا أَرَادَ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتَّى يُوَافِيَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»(جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، ح:٢٣٩٦)

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر خواہی کرنا چاہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں جلد دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ساتھ سختی کرنے کا ارادہ کرے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا کو روک لیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے پوری پوری سزا دے گا۔''①

نبی ﷺ نے مزید فرمایا ہے:

«إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا، وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ»(جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في الصبر على البلاء، ح:٢٣٩٦)

''بڑی آزمائش کی جزا بھی بڑی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو جن لوگوں سے محبت ہو وہ انہیں آزماتا ہے۔ جو شخص اس آزمائش پر راضی ہو' اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے اور جو شخص اس آزمائش پر ناخوش ہو' اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناخوش اور اس پر ناراض ہو جاتا ہے۔''

مسائل

① اس باب سے سورۃ التغابن کی آیت ۱۱ کی تفسیر واضح ہوتی ہے جس میں بیان ہے کہ

---

① اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی حکمت بیان کی گئی ہے اور یہی حکمت جب بندے کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتی ہے تو وہ صبر کو ایک عظیم قلبی عبادت جانتے ہوئے اپنے آپ کو اس سے آراستہ پیراستہ کر لیتا ہے اور اللہ کی قضا و قدر پر ناراضی کا اظہار اور شکوہ نہیں کرتا۔ اسی لیے بعض اسلاف کا معمول تھا کہ وہ بیمار نہ ہوتے یا ان پر کوئی آزمائش نہ آتی تو وہ سمجھتے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے' اس لیے اس نے مجھے بھلا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔

② نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں یعنی تقدیر پر صبر کرنا بھی ایمان باللہ کا حصہ ہے۔

③ کسی کے نسب پر طعن کرنا مذموم اور کفریہ کام ہے۔

④ صدمہ کے وقت چہرے پر دو ہتڑ مارنے، گریبان پھاڑنے اور جہالت کے بول بولنے کی مذمت اور ایسا کرنے والوں کے بارے میں سخت وعید بیان ہوئی ہے۔

⑤ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ کس انداز پر اور کس طرح بھلائی کرتا ہے۔

⑥ اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے پر سختی کا ارادہ کرے تو اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

⑦ اللہ تعالیٰ کو کسی بندے سے محبت ہو تو اس کی علامت کیا ہے۔

⑧ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ناخوش ہونا حرام ہے۔

⑨ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر راضی ہونے کا بہت زیادہ اجر ہے۔

باب : ۳۵

ریاکاری ایک مذموم عمل ہے۔ ①

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُوا۟ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾ ﴾ (الکھف۱۸/ ۱۱۰)

''(اے پیغمبر ﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ایک انسان ہوں' البتہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو' اسے چاہیے کہ وہ اچھے اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔'' ②

---

① ریاکاری یعنی دکھلاوا ایک انتہائی مذموم عمل ہے۔ یہ گناہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ لفظ ریا ''رؤیة'' سے ماخوذ ہے جس کا معنی آنکھوں سے دیکھنے کا ہے۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ انسان نیکی کا کوئی عمل کرتے وقت یہ ارادہ کرے کہ لوگ مجھے یہ عمل کرتے ہوئے دیکھ لیں اور میری تعریف کریں۔

ریا دو قسم کی ہے:

ایک ریا منافقین کی ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے ظاہری طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے اور نام لیتے ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں کفر پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ ریا اور طرز عمل' توحید کے منافی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

ریا کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان نیکی کا کوئی کام کرتے ہوئے دکھلاوے کی نیت کرے کہ لوگ اسے یہ عمل کرتے دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ یہ پوشیدہ شرک ہے اور توحید کے اعلیٰ درجہ کے منافی ہے۔

② اس آیت میں ہر قسم کے شرک کی ممانعت ہے۔ ریاکاری بھی شرک کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اسی لیے علماء نے اس آیت سے ریا کے مسائل پر استدلال کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ، مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ مَعِيَ فِيهِ غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ»(صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب الرياء، ح: ٢٩٨٥)

"میں تمام شرکاء سے بڑھ کر شرک سے مستغنی ہوں۔ جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ غیر کو شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔"[1]

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِي مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ؟ قَالُوا: بَلَى يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: الشِّرْكُ الْخَفِيُّ يَقُومُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلٰوتَهُ لِمَا يَرٰى مِنْ نَّظَرِ رَجُلٍ»(مسند أحمد: ٣/ ٣٠ وسنن ابن ماجة، الزهد، باب الرياء والسمعة، ح: ٤٢٠٤)

"کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟ (ضرور بتلایئے) آپ

---

[1] یہ حدیث دلیل ہے کہ ریا والا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں بلکہ وہ عمل کرنے والے کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ جب کسی عبادت میں ابتداءً ریا شامل ہو (یعنی وہ عبادت محض ریا اور دکھلاوے کے لیے کی جائے) تو وہ ساری عبادت باطل ہو جاتی ہے اور وہ عمل کرنے والا دکھلاوے کی وجہ سے گناہ گار اور شرک خفی کا مرتکب ہوتا ہے۔ البتہ اگر اصل عمل (عبادت) محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو مگر عمل کرنے والا اس میں کسی قدر ریا کو شامل کر دے مثلاً اللہ کے لیے نماز پڑھتے ہوئے لوگوں کے دکھلاوے کے لیے نماز کا رکوع طویل کر دے اور تسبیحات کی تعداد زیادہ کر دے تو ایسا کرنے سے وہ آدمی گناہ گار ہو گا اور اس کی اتنی عبادت ضائع ہو جائے گی جتنی اس نے ریا کے لیے کی جبکہ مالی عبادت میں ریا شامل ہونے سے ساری کی ساری عبادت اکارت جاتی ہے۔

اَشْرَكَ مَعِيَ فِيهِ غَيْرِي..... "جو شخص اپنے عمل میں میرے ساتھ غیر کو بھی شامل کرے....." اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنے کسی عمل صالح میں اللہ کی رضا کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی خوشنودی کا خواہش مند بھی ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے شرک سے مستغنی ہے۔ وہ صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو محض اسی کی رضاجوئی کے لیے کیا جائے۔

نے فرمایا: وہ ہے "شرک خفی" کہ کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو اور وہ اپنی نماز کو محض اس لیے سنوار کر پڑھے کہ کوئی شخص اسے دیکھ رہا ہے۔"[1]

مسائل

① اس باب سے سورۃ الکہف کی آیت ۱۱۰ کی تفسیر معلوم ہوئی کہ جسے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید ہے وہ نیک اعمال کے ساتھ ساتھ شرک (خفی یعنی ریاء) سے اجتناب ضرور کرے۔

② عمل صالح میں اگر غیراللہ کا معمولی سا بھی دخل ہو جائے تو وہ سارا عمل مردود اور ضائع ہو جاتا ہے۔

③ اور اس کا اساسی سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے مکمل طور پر مستغنی ہے۔

④ ریا والے عمل کے ضیاع کا ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے والے تمام شرکاء سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

⑤ نبی ﷺ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ریا کا اندیشہ لاحق رہتا تھا۔

⑥ نبی ﷺ نے ریا کی تفسیر کرتے ہوئے یوں فرمایا: کوئی آدمی نماز جیسا عمل کرتے ہوئے محض اس لیے اسے عمدہ طور پر ادا کرے کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

---

[1] مسیح دجال کا معاملہ تو واضح ہے جسے نبی ﷺ نے کھول کر بیان فرمادیا ہے (اور اس سے بچنا آسان ہے) لیکن ریا عام طور پر دل میں اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ یہ انسان کو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی بجائے لوگوں کی طرف متوجہ کر دیتی ہے (اور اس سے بچنا انتہائی مشکل ہے)۔ اس لیے نبی ﷺ نے اسے فتنۂ دجال سے زیادہ خوفناک اور شرک خفی قرار دیا ہے۔

باب : ۳۶

کسی نیک عمل سے دنیا کا طالب ہونا بھی شرک ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا۟ فِيهَا وَبَٰطِلٌ مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱۵-۱۶)

"جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہیں' ان کے اعمال کا سارا بدلہ ہم انہیں دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ ان کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔ انہوں نے اس دنیا میں جو کچھ کیا وہ سب ضائع ہے اور جو کچھ کرتے رہے وہ سب برباد ہے۔" [1]

---

[1] دنیا کے اجر و ثواب کے حصول کے لیے کوئی نیک عمل کرنا شرک اصغر ہے اور اپنے اعمال' قصد اور حرکات سے محض دنیا کے طالب کفار ہی ہوتے ہیں۔ یہ آیت اگرچہ انہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ کے تحت ہر وہ شخص آجاتا ہے جو اپنے عمل صالح کے ذریعہ دنیا کا طالب اور خواہاں ہو۔

نیک اعمال بجالاتے وقت انسان کے ذہن میں اگر دنیوی اجر و ثواب ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) انسان کسی عملِ صالح کو محض دنیوی اجر کے حصول کے لیے بجالائے اور آخرت کے اجر کا طالب نہ ہو جبکہ وہ عمل ہے ہی ایسا کہ شریعت نے اس کا اخروی اجر تو بتایا ہے لیکن دنیوی اجر کی کوئی ترغیب نہیں دلائی۔ مثلاً نماز' روزہ اور اطاعت و فرمانبرداری کے دیگر اعمال' ان اعمال کو بجالاتے وقت دنیوی اجر کا طلبگار ہونا جائز نہیں بلکہ اگر کوئی ہوگا تو وہ مشرک ٹھہرے گا۔

(ب) کچھ اعمال صالحہ ایسے ہیں جن کا دنیوی اجر و ثواب شریعت نے بتایا ہے بلکہ اخروی اجر و ثواب ⟵

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَعِسَ عَبْدُالدِّينَار، تَعِسَ عَبْدُالدِّرْهَم، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيصَةِ، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيلَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ، تَعِسَ وَانْتَكَسَ، وَإِذَا شِيكَ فَلاَ انْتَقَشَ، طُوْبٰى لِعَبْدٍ آخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَشْعَثَ رَأْسُهُ، مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ، اِنْ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ كَانَ فِي الْحِرَاسَةِ وَإِنْ كَانَ فِي السَّاقَةِ كَانَ فِي السَّاقَةِ، إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَّهُ، وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ»(صحيح البخاري، الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله، ح:٢٨٨٧)

"درہم و دینار (روپے پیسے) کا پجاری ہلاک ہوا۔ چادر اور کمبل کا پجاری ہلاک ہوا۔ اگر یہ چیزیں اسے مل جائیں تو خوش اور اگر نہ ملیں تو ناخوش۔ یہ برباد اور سرنگوں ہوا۔ اگر اسے کانٹا چبھے تو کوئی نہ نکالے، اور اس شخص کے لیے بہت بڑی سعادت ہے جو

◄ کے ساتھ ساتھ اس دنیوی اجر کا شوق بھی دلایا ہے۔ مثلاً صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور حسن معاشرت کے اعمال وغیرہ۔ ان اعمال کو بجالاتے وقت اگر تو انسان، محض دنیوی اجر وثواب کو اپنے ذہن میں رکھے تو لائق وعید ہوگا اور اس کا عمل شرک کے زمرے میں آئے گا لیکن اگر دنیوی اور اخروی دونوں ثواب اس کے ذہن میں ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ شریعت نے ان اعمال پر دنیوی ثواب کا ذکر، محض ترغیب دلانے کے لیے کیا ہے۔ اس آیت مبارکہ کے تحت جہاں اور بہت سے لوگ آتے ہیں وہاں وہ لوگ بھی اس میں شامل ہیں جو سراسر دنیوی مال و دولت کی خاطر نیک اعمال کرتے ہیں۔

مثلاً دینی علم پڑھانے والا مدرس اگر محض تنخواہ لینے کے لیے پڑھاتا ہے اور اس کا ارادہ، جہالت کو دور کرنے، جنت کو حاصل کرنے اور جہنم سے بچنے کا نہیں تو وہ اسی وعید میں آئے گا۔ اسی طرح وہ لوگ جو ریا اور دکھلاوے کے لیے نیک اعمال کرتے ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں اور وہ لوگ بھی جو نیک اعمال تو کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اسلام اور توحید کے منافی امور کے مرتکب بھی ہیں ایسے لوگ اگرچہ اپنے آپ کو مومن کہلائیں لیکن درحقیقت جھوٹے ہیں اگر یہ سچے ہوتے تو اپنے اعمال، محض اللہ کے لیے بجالاکر اس کی توحید کو ماننے کا ثبوت دیتے اور دنیا کے اجر وثواب کے طلبگار ہوکر شرک کے مرتکب نہ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے ہو' اس کا سر (یعنی بال) پراگندہ اور پاؤں گرد آلود ہوں' اگر اسے (اسلامی فوج کے) پہرے پر بٹھایا جائے تو پہرہ دے' اگر اسے (اسلامی لشکر کے) پچھلے حصے پر مقرر کیا جائے تو وہاں ڈیوٹی دے' اگر وہ اجازت مانگے تو اسے اجازت نہ ملے' اور اگر وہ کسی کے حق میں سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہ ہو۔"[1]

مسائل

① اس تفصیل سے واضح ہوا کہ انسان کا' آخرت میں کام آنے والے نیک اعمال کے بدلے' دنیا کا خواہش مند ہونا مذموم ہے۔

② سورۂ ہود کی آیات ۱۵' ۱۶ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جن میں طالبِ دنیا کی مذمت بیان ہوئی ہے۔

③ مسلمان آدمی کو درہم و دینار کا پجاری کہا جاسکتا ہے۔

④ اگر اس کی آرزو پوری ہو تو خوش ورنہ ناخوش ہوتا ہے۔

⑤ اس حدیث میں الفاظ "تَعِسَ" اور "وَانْتَكَسَ" قابل غور ہیں۔

⑥ اور حدیث کے الفاظ "وَإِذَا شِيكَ فَلَا انْتَقَشَ" بھی توجہ طلب ہیں۔

⑦ اس حدیث میں مذکورہ صفات کے حامل' مجاہد کی فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] اس حدیث سے درہم و دینار کی مذمت ثابت ہوتی ہے۔ جس نے درہم و دینار کے لیے عمل کیا وہ گویا درہم و دینار کی عبادت کر کے شرک کا مرتکب ہو رہا ہے۔

کیونکہ عبودیت کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں سے ایک درجہ شرک اصغر کی عبودیت کا بھی ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس چیز کا پجاری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز ہی اس کے اس عمل کی محرک اور باعث ہے۔ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ پجاری اپنے آقا کا مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے' اس کا آقا اس کا رخ جدھر بھی کر دے وہ ادھر ہی ہو لیتا ہے۔

باب : ۳۷

اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو حرام یا حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنے میں علماء و امراء کی اطاعت ان کو رب کا درجہ دینا ہے۔ ①

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«يُوْشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ أَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَتَقُولُونَ قَالَ أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ»(مسند أحمد: ۱/ ۳۳۷)

"(تمہارا یہی حال رہا تو) قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کا فرمان سناتا ہوں اور تم (اس کے مدمقابل) ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی بات کرتے ہو۔" ②

---

① مصنف رحمہ اللہ اس باب میں اور اس کے بعد کے ابواب میں توحید کے تقاضے اور کلمہ ء شہادت کے لوازمات بیان کر رہے ہیں۔

یاد رہے! علماء دین کتاب و سنت کی نصوص کو سمجھنے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں ان کی اطاعت، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع سمجھ کر کی جائے گی۔ مستقل طور پر اطاعت صرف اللہ عزوجل کی ہے اس لیے کہ اطاعت بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔

البتہ وہ اجتہادی معاملات جن کے بارے میں کتاب و سنت کی کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی ان میں وہ قابل اطاعت ہیں کیونکہ اس کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے۔ شریعت نے ان مصلحتوں کا لحاظ رکھا ہے۔

② امام احمد رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اور ان کا یہ نظریہ بیان کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے صریح اور واضح فرمان کے سامنے کسی دوسرے کا قول اور رائے پیش کرنے کے قائل نہ تھے، خواہ وہ قول اور رائے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسی جلیل القدر شخصیات ہی کی کیوں نہ ہو تو پھر ان سے کم مرتبہ کسی شخصیت کی بات رسول اللہ ﷺ کی بات کے سامنے کیسے پیش کی جاسکتی ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو حدیث کی سند اور اس کے صحیح ہونے کا علم ہو جانے کے بعد بھی سفیان ثوری رحمہ اللہ کی رائے پر عمل کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ ٱلَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِۦٓ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ ﴾ (النور ٢٤/ ٦٣)

"رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ ان پر کوئی فتنہ یا سخت عذاب نہ آپڑے۔"

جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ اس سے مراد "شرک" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جو انسان رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اس کے دل میں کجی آ جائے اور وہ ہلاک ہو جائے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا:

﴿ ٱتَّخَذُوٓا۟ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ ٱللَّهِ وَٱلْمَسِيحَ ٱبْنَ مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا۟ إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا۟ إِلَٰهًا وَٰحِدًا ۖ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ ﴾ (التوبة ٢٤/ ٣١)

"انہوں (یعنی عیسائیوں) نے اپنے علماء' بزرگوں اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنالیا' حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ان شریکوں سے پاک ہے جن کو وہ اس کے شریک ٹھہراتے ہیں"۔

(حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' جو کہ پہلے عیسائی تھے' کہتے ہیں) میں نے نبی کریم ﷺ سے کہا: ہم ان علماء اور بزرگوں کی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔" آپ نے فرمایا "کیا ایسا نہیں تھا کہ تم اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حرام اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ان کے کہنے پر حلال سمجھتے تھے؟" میں نے کہا: "واقعی ایسا ہی ہے۔" آپ نے فرمایا: "یہی ان کی عبادت ہے۔"[1]

---

[1] (جامع ترمذی' تفسیر القرآن' باب و من سورة التوبه' ح ٣٠٩٥) علماء و امراء کی تعظیم

مسائل

① اس باب سے سورۂ نور کی آیت ۶۳ کی تفسیر واضح ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور حکم عدولی کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔

② نیز سورۃ التوبہ کی آیت ۳۱ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جس میں بیان ہے کہ یہودیوں نے کس طرح اپنے علماء اور بزرگوں کو اپنے رب بنالیا تھا۔

③ اس بحث سے عبادت کا معنی اور مفہوم بھی واضح ہوا کہ عبادت کا صرف وہ مفہوم نہیں جو عدی رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم تو اپنے علماء اور بزرگوں کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیز کو علماء کے کہنے پر حرام سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو علماء کے کہنے پر حلال سمجھنا بھی ان علماء کی عبادت اور ان کو اپنے معبود گردانے کے مترادف ہے۔

④ اس باب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل کسی بھی ہستی کو پیش نہیں کیا جا سکتا خواہ اس کا مقام کتنا ہی بلند اور ارفع کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام' آپ کے بالمقابل پیش کرنے پر اور امام احمد رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ کا نام پیش کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

⬅ میں غلو کرتے ہوئے ان کے کہنے پر اور ان کی اطاعت کرتے ہوئے دین کو تبدیل کر ڈالنا' جس چیز کو وہ حلال کہیں اسے حلال سمجھنا اور جس چیز کو وہ حرام کہیں اسے حرام جاننا جبکہ اس بات کا علم بھی ہو کہ یہ چیز حلال ہے یا حرام' یہ سراسر انہیں رب اور معبود بنالینے کے مترادف ہے اور یہ بہت بڑا کفر اور شرک اکبر ہے کیونکہ اس صورت میں اطاعت (جو کہ عبادت کی ایک قسم ہے) کا حق دار' اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو ٹھہرایا گیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ اس مقام پر' صوفیاء' تصوف کے باطل طریقوں اور صوفیاء کی تعظیم میں غلو کرنے والوں کے بارے میں تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشائخ اور اولیاء' جن کو وہ اپنے زعم باطل میں اولیاء سمجھتے تھے حالانکہ وہ حقیقت میں اولیاء نہیں تھے' کی دین کو تبدیل کرنے میں اطاعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی اطاعت کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے ان کو رب اور معبود بنالیا تھا۔

⑤ اس بحث میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ اب حالات اس حد تک تبدیل ہو گئے ہیں کہ اکثر لوگوں کے نزدیک بزرگوں کی عبادت' ایک افضل ترین عمل کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اب اسے ولایت کہا جاتا ہے۔ اسی طرح علم وفقہ کے نام پر اہلِ علم کی عبادت ہوتی ہے۔ اور پھر بعد ازاں حالات اس قدر تبدیل ہو چکے ہیں کہ اللہ کے بالمقابل ایسے لوگوں کی بھی پرستش ہو رہی ہے جو مطلقاً صالح نہ تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بھی پرستش ہو رہی ہے جو اصحاب علم نہیں بلکہ جاہلِ مطلق ہیں۔

باب : ۳۸

بعض ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی حقیقت [1]

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُوا۟ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓا۟ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓا۟ أَن يَكْفُرُوا۟ بِهِۦ وَيُرِيدُ ٱلشَّيْطَٰنُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَإِلَى ٱلرَّسُولِ رَأَيْتَ ٱلْمُنَٰفِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ ﴾

(النساء٤/ ٦٠-٦٢)

"کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ جو (کتاب) آپ پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) آپ سے پہلے نازل ہوئیں' ان سب پر ایمان رکھتے ہیں

---

[1] اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا تقاضا ہے کہ حکم اور فیصلے میں بھی اسے اکیلا اور وحدہ لاشریک لہ سمجھا جائے۔ اطاعت کا حقدار صرف اللہ عزوجل کو جاننے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی کو سچ ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق باہمی فیصلے کریں اور جاہلیت کے قوانین اور ضوابط کے مطابق فیصلے کرنا ترک کردیں کیونکہ یہ بہت بڑا کفر اور توحید کے منافی امر ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ اپنے رسالہ "تحکیم القوانین" میں رقم طراز ہیں:

"یہ بہت بڑا اور صریح کفر ہے کہ ایک قابل لعنت قانون کو اس قانون کی جگہ لا کھڑا کیا جائے جسے روح الامین (جبریل علیہ السلام) سید المرسلین (محمد ﷺ) کی طرف اس لیے لے کر آئے تاکہ آپ تمام اہل جہان کے مابین رب العالمین کے حکم کے مطابق فیصلہ کرنے والے ہوں۔

(مگر) چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جاکر فیصلہ کرائیں' حالانکہ انہیں طاغوت اور اس کے فیصلے کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول اللہ ﷺ کی طرف' تو آپ دیکھیں گے کہ منافق آپ سے اعراض کرکے رکے جاتے ہیں۔ اور پھر (ان کا) کیا حال ہوتا ہے جب ان کے اپنے اعمال کے سبب ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو آپ کی خدمت میں آکر قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم نے تو صرف اچھائی اور صلح کرانے کا ارادہ کیا تھا۔"[1]

---

[1] ان لوگوں کا اپنے مقدمے کو طاغوت (غیراللہ) کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ دعویٰ کرنا کہ وہ قرآن اور اس سے سابقہ تمام آسمانی کتب پر ایمان رکھتے ہیں' جھوٹ اور حقیقت کے برعکس ہے کیونکہ ایمان' اور طاغوت سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنا دونوں ایسے باہمی متضاد امور ہیں کہ ان دونوں کا یکجا جمع ہونا ناممکن ہے۔

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوا....." "وہ چاہتے ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جاکر اس سے فیصلہ کروائیں۔" اس جملے میں لفظ "یُرِیْدُوْنَ" ..... "وہ چاہتے ہیں" ایک اہم ضابطے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ طاغوت سے فیصلہ کروانے والے شخص سے ایمان کی نفی اس وقت ہوگی جب وہ اپنے ارادے' خوشی اور اختیار کے ساتھ اس سے فیصلہ کروائے اور اسے ناپسند نہ سمجھے۔ گویا اس فیصلہ میں ارادہ' اختیار اور خوشی ایک شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ چیزیں ہوں گی تو وہ شخص ایمان دار کہلانے کا حق دار قطعاً نہیں ہوگا اور اگر اسے طاغوت سے فیصلہ کروانے اور تسلیم کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے' وہ اسے ناپسند جانتا ہے تو ایسا مجبور ولاچار شخص ایمان سے خارج نہ ہوگا۔

"وَقَدْ اُمِرُوْا....." "انہیں طاغوت اور اس کے فیصلے کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔" طاغوت (غیر اللہ) سے فیصلہ کروانے کا انکار کرنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا صرف واجب ہی نہیں بلکہ یہ توحید کا لازمی جزو اور اللہ تعالیٰ کو رب مان کر اس کی تعظیم کرنے کا تقاضا بھی ہے۔

"وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ....." "شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جائے۔"

آیت کے اس آخری جملے سے معلوم ہوا کہ غیراللہ سے فیصلہ کروانے کی خواہش رکھنا اور اسے تسلیم کرنا سراسر شیطانی الہام اور ابلیسی بہکاوا ہے۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾ ﴾

(البقرة٢/ ١١)

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔''[1]

اور مزید فرمایا:

﴿ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ﴾ (الأعراف٧/ ٥٦)

''اور زمین میں، اس کی اصلاح کر دیے جانے کے بعد فساد نہ کرو۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٥٠﴾ ﴾

(المائدة: ٥/ ٥٠)

''(یہ لوگ اگر اللہ کے قانون کو نہیں مانتے) تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے؟''[2]

---

[1] یعنی ان سے کہا جاتا ہے کہ غیراللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کر کے اور اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہرا کر زمین میں فساد برپا نہ کرو کیونکہ اللہ کی شریعت اور توحید کے ساتھ زمین میں امن و امان ہوتا ہے اور شرک کی تمام تر انواع و اقسام کے ساتھ زمین میں فساد بپا ہوتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ زمین میں شرک پھیلانے اور اس کے اسباب و وسائل کو اختیار کرنے کی سعی و کوشش کرنا منافقوں کی خصلت اور عادت ہے اور اس سے بدتر یہ کہ وہ یہ فساد کرنے کے باوجود اپنے آپ کو امن پسند اور اصلاح پسند کہتے ہیں۔

[2] دور جاہلیت کا طریق کار یہ ہوتا تھا کہ جو جس کو چاہتا اسے اپنا حکم اور منصف مان لیتا اور وہ منصف اپنے ہی وضع کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرتا۔ گویا جاہلیت کے قوانین کے مطابق فیصلے کرنا اور کرانا ایک بشر اور انسان کو حکم اور منصف بنانا ہے اور اسے حکم و منصف بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اسے مطاع، لائق اطاعت اور اللہ عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرایا گیا ہے جو کہ شرک اور باطل ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»(قال النووي في الأربعين، ح:٤١ حديث صحيح رويناه في كتاب الحجة باسناد صحيح)

"تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی تمام تر خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جسے میں لایا ہوں۔"

شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک منافق اور یہودی کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ یہودی جانتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رشوت نہیں لیتے۔ اس نے کہا ہم یہ معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اور منافق نے کہا: ہم یہ معاملہ یہود کے پاس لے چلتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی رشوت لیتے ہیں۔ آخرکار دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ بنو جہینہ کے ایک کاہن سے فیصلہ کرا لیا جائے۔ تو اس موقع پر سورۂ نساء کی آیت ٦٠ نازل ہوئی۔ (آیت اور ترجمہ' باب کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

بعض اہل علم نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کا کسی معاملہ میں آپس میں اختلاف ہو گیا تھا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم یہ معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کرتے ہیں۔ دوسرے نے کہا نہیں' یہ معاملہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے تو ان میں سے ایک نے سارا واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے استفسار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ نہیں کرانا چاہتا تھا' کیا یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! چنانچہ انہوں نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ (تفسیر الدر المنثور للسیوطی)

مسائل

① اس بحث سے سورۂ نساء کی آیت ٦٠ کی تفسیر اور طاغوت کے معنی کی وضاحت ہوئی۔

② سورۂ بقرہ کی آیت ١١ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی کہ فساد کرنے والے خود کو اصلاح کار کہتے ہیں۔

③ سورۂ اعراف کی آیت ۵۶ کی تفسیر بھی معلوم ہوئی جس میں' زمین میں فساد کرنے سے روکا گیا ہے۔

④ سورہ مائدہ کی آیت ۵۰ کی تفسیر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

⑤ اس باب میں مذکور اول الذکر آیت کی تفسیر میں شعبی کا قول بھی سامنے آیا ہے۔

⑥ یہ بھی معلوم ہوا کہ سچا ایمان دار کون ہے اور جھوٹا کون۔

⑦ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے منافق کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر بھی ہے۔

⑧ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام تر خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تابع نہ ہوں۔

باب : ۳۹

اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار ①

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الرعد۱۳/ ۳۰)

"اور یہ لوگ رحمان کو نہیں مانتے' آپ (ان سے) کہہ دیں کہ وہی (رحمٰن) میرا رب ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا اسی پر بھروسہ اور وہی میری پناہ گاہ ہے۔" ②

---

① اس باب کا توحید کے مسائل کے ساتھ دو طرح سے ربط اور تعلق ہے۔

(الف) توحید الوہیت کے دیگر بہت سے دلائل کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اللہ اپنے اسماء اور اپنی صفات میں یکتا اور اکیلا ہے۔ اس کی کسی صفت میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں۔ اسی طرح وہ حق عبادت میں بھی اکیلا اور منفرد ہے' اس کا کوئی ثانی نہیں۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے کسی اسم اور کسی صفت کا انکار کرنے سے انسان شرک و کفر کا مرتکب اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ جب کسی انسان کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فلاں اسم اور فلاں صفت ثابت ہے اور اسے خود اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا ہے' پھر وہ اس کا انکار اور اس کی نفی کر دے تو وہ کفر کا مرتکب ہو گا کیونکہ اس نے کتاب و سنت کی تکذیب کر دی اور اسے جھٹلا دیا ہے۔

② "الرحمن" اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ مشرکین و کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم تو صرف "یمامہ" (علاقہ) کے رحمٰن کو جانتے ہیں' اس کے سوا کسی رحمٰن کو نہیں جانتے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام' رحمٰن کا انکار کیا اور اس طرح وہ ذات باری تعالیٰ کے منکر و کافر ہوئے اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا "وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ" "وہ رحمٰن کے ساتھ کفر کرتے ہیں" یعنی اللہ کے نام' رحمٰن کے ساتھ۔

لفظ "الرحمٰن" اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت پر ضرور دلالت کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام بیک وقت دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے: ⇐

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے ''لوگوں کو وہی باتیں بتاؤ جنہیں وہ جان سکیں۔ (جو باتیں ان کے فہم و شعور سے بالا ہوں وہ سنا کر) کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جائے۔ [1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا جسے صفات باری تعالیٰ کے بارے میں ایک حدیث سن کر یوں کپکپی آ گئی گویا اسے یہ حدیث اچھی نہیں لگی اور وہ اسے اجنبی سا محسوس کر رہا ہے تو یہ منظر دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ''ان لوگوں کا ڈر عجیب ہے کہ اللہ کی محکم آیات سن کر ان پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور متشابہ آیات سن کر (اور نہ مان کر) ہلاکت میں پڑتے جا رہے ہیں۔ [2]

⇐ ایک تو ذات باری تعالیٰ اور دوسری' وہ صفت جس کا مفہوم' یہ نام ادا کرتا ہے۔

اسی لیے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی کسی نہ کسی صفت کو متضمن ہوتا ہے تو پھر لفظ جلالہ (اللہ)' جو کہ ذات حق تعالیٰ کا ذاتی نام اور اسم علم ہے' بھی مشتق ہے اور الوہیت یعنی عبادت کا معنی و مفہوم اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اہل علم کے اقوال میں سے صحیح ترین قول یہی ہے۔

[1] (صحیح بخاری' کتاب العلم' باب من خص بالعلم قوما......' رقم ۱۲۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ بعض علمی باتیں ہر کسی کو بتانے کے قابل نہیں ہوتیں۔ مثلاً توحید اسماء و صفات کے وہ دقیق مسائل جنہیں سمجھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں' ان کے بارے میں عوام سے یہی کہا جائے گا کہ وہ ان پر اجمالی طور پر ایمان رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا انکار کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ بسا اوقات کوئی آدمی لوگوں کے سامنے اسماء و صفات سے متعلقہ کوئی ایسی بات کر دیتا ہے جسے سمجھنے سے وہ یکسر قاصر ہوتے ہیں لہٰذا سرے سے اس کا انکار ہی کر ڈالتے ہیں' اس لیے ہر مسلمان پر خصوصاً اہل علم پر واجب اور ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کے منکر نہ بنائیں یعنی لوگوں سے ایسی باتیں ہرگز بیان نہ کریں جنہیں سمجھنے سے وہ بالکل قاصر ہوں اور ان کی عقلیں وہاں تک رسائی نہ کر سکتی ہوں جس کے نتیجہ میں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو جھٹلانے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے بن جائیں۔

[2] (مصنف عبدالرزاق' رقم ۲۰۸۹۵) اس شخص نے اس حدیث کو اجنبی سا محسوس کیا اور سن کر کانپ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں مخلوق کے ساتھ مماثلت اور تشبیہ پائی جاتی ہے۔ اسی مماثلت اور تشبیہ کا تصور اس کے ذہن میں آنے سے اس کے دل میں اس ⇐

اور جب قریش نے نبی ﷺ سے رحمان کا ذکر سنا تو انہوں نے اس کا انکار کیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ﴾ (الرعد ۱۳/ ۳۰)

''اور وہ رحمان (کو نہیں مانتے بلکہ اس) کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔'' (تفسیر ابن جریر الطبری)

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا کسی صفت کے انکار سے ایمان بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

② اس باب سے سورۂ رعد کی آیت ۳۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا تذکرہ ہے۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات سامع کے فہم سے بالاتر ہو اسے بیان نہیں کرنا چاہیے۔

④ اس کی وجہ بھی بیان ہوئی کہ اس سے سامع' اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کا خواہ مخواہ مرتکب ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا قصد و ارادہ تکذیب کا نہ بھی ہو۔

⑤ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام یا صفت کا انکار ہلاکت و تباہی کا سبب ہے۔

◄ صفت الٰہی کا خوف اور ڈر پیدا ہو گیا' حالانکہ ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت' قرآن و حدیث میں پڑھے یا سنے تو اس کا وہی مفہوم لے جو دیگر صفات کا لیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کو اس طرح سے ثابت کیا جائے کہ اس میں مخلوق کے ساتھ کسی طرح سے کوئی تشبیہ اور تمثیل نہ دی جائے اور نہ ہی اس کی کوئی کیفیت بیان کی جائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے دل کی کیفیت کو محسوس کر کے تعجب کا اظہار کیا کہ یہ لوگ کیسے عجیب ہیں کہ جب ایسی بات سنتے ہیں جس کا انہیں علم ہوتا ہے تو ان کے دلوں میں رقت آجاتی ہے اور جب کتاب و سنت کی کوئی ایسی بات سنتے ہیں جو ان کی عقلوں سے بالاتر ہوتی ہے تو اس پر ایمان بالغیب رکھنے کے بجائے اس کی غلط تاویل' نفی اور انکار کر کے خود کو ہلاکت کے گڑھے میں ڈالتے پھرتے ہیں۔

باب : ۴۰

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کفر ہے۔ ①

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ ٱللَّهِ ثُمَّ يُنكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿٨٣﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ٨٣)

"یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہوئے بھی انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جو (اللہ کی نعمتوں کے) ناشکرے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "انسان کا یوں کہنا کہ یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد کی طرف سے ورثہ میں ملا ہے' اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔" ② (تفسیر ابن جریر الطبری)

---

① انسان کو چاہئے کہ وہ یہ یقین رکھے کہ تمام کی تمام نعمتیں' اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور توحید بھی تب ہی مکمل ہو سکتی ہے جب ہر نعمت کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہی کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی نسبت' غیر اللہ کی طرف کرنا توحید میں نقص اور شرک اصغر ہے۔ اسی لیے اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ ٱللَّهِ ﴾ (النحل ١٦/ ٥٣)

"اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔"

② یہ بات توحید کے منافی اور شرک ہی کی ایک قسم ہے کیونکہ ایسا کہنے والے شخص نے مال و دولت کی اس عظیم نعمت کی نسبت اپنی طرف اور اپنے آباؤ اجداد کی طرف کر دی جبکہ فی الواقع یہ مال' اللہ عزوجل ہی نے اس کے آباؤ اجداد کو دے رکھا تھا پھر اسی رب کی تقسیم سے' جو اس نے وراثت کی صورت میں کی' اس بندۂ مومن تک یہ مال پہنچا تو گویا یہ سب' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے والد کو اولاد تک مال پہنچانے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے اور اسی لیے وراثت کی تقسیم میں والد یا کسی بھی صاحب مال کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے جسے چاہے اس کا وارث اور حق دار بنا دے کیونکہ درحقیقت اس مال کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ عزوجل ہے۔ جسے وہ چاہے گا وہی اس کا وارث اور مالک بنے گا۔

عون بن عبداللہ کہتے ہیں "لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر فلاں نہ ہوتا تو یوں ہو جاتا' اللہ کی نعمت کا انکار ہے۔" [1] (تفسیر ابن جریر الطبری)

ابن قتیبہ کہتے ہیں "لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ چیز ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہے' بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے۔ (تفسیر ابن جریر الطبری)

شیخ الاسلام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث

«إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ»(صحيح البخاري، الأذان، باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم، ح:٨٤٦ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، ح:٧١)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج صبح میرے بندوں میں سے کچھ تو مجھ پر ایمان لے آئے اور کچھ کافر ہو گئے۔" [2] (یہ حدیث باب نمبر۲۹ میں گزر چکی ہے) کو بیان کرنے کے

---

[1] مثلاً یہ کہنا کہ اگر فلاں پائلٹ اپنی مہارت نہ دکھاتا تو ہم سیدھے تباہی کی طرف جا رہے تھے (گویا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں تباہی سے بچانے والا یہی پائلٹ ہی ہے) اسی طرح کے دیگر وہ الفاظ جن میں کسی کام کی نسبت اس کام کے سبب اور واسطے کی طرف کر دی جائے' ناجائز ہیں' خواہ وہ واسطہ انسان ہو یا کوئی جماد' کوئی قطعہ زمین ہو یا اللہ کی مخلوقات میں سے کوئی اور مخلوق۔ جیسے بارش' پانی اور ہوا وغیرہ ہیں۔

[2] یعنی جب انہیں کوئی نعمت حاصل ہوتی ہے تو ان کے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگتی ہے کہ ہم اپنے اولیاء' انبیاء' بتوں یا معبودان (باطلہ) کے پاس گئے تھے ان کی پوجا کر کے انہیں خوش کیا تھا تب انہوں نے ہمارے حق میں سفارش کی تو ہمیں یہ بھلائی اور خیر حاصل ہوئی۔ یعنی وہ اپنے جھوٹے خداؤں کو تو یاد کرتے ہیں لیکن اس اللہ عزوجل کو بھول جاتے ہیں جس نے یہ فضل اور انعام کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھ تک نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ ایسی شرکیہ سفارشیں قبول نہیں کرتا جنہیں وہ یاد کرتے پھرتے ہیں۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر رات بارش ہونے کے بعد ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ آپ نے سلام پھیرا تو رخ مبارک لوگوں کی طرف کر کے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا' اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے ⟸

بعد یوں فرمایا: ''کتاب و سنت میں یہ بات بکثرت وارد ہے' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے انعام اور رحمت کو کسی غیر کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور اس بات کی وضاحت کے لیے بعض اسلاف نے یہ مثال بیان کی ہے:

''جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ہوا بہت ہی خوب تھی' ملاح ماہر اور تجربہ کار تھا' وغیرہ جو الفاظ زبان زد عام ہوتے ہیں۔ (سب ناجائز ہیں کیونکہ اس طرح کہنے سے اللہ کی نعمت کی نسبت غیر اللہ کی طرف ہوجاتی ہے)'' ① (فتاوٰی ابن تیمیہ جلد ۸ ص ۳۳)

مسائل

① اس باب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار یا انکار کس طرح ہوتا ہے۔

◄ فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندوں میں سے بعض نے ایمان کی حالت میں صبح کی اور بعض نے کفر کی حالت میں' جنہوں نے کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی وہ تو میرے مومن اور ستاروں کے کافر ٹھہرے اور جنہوں نے یہ کہا کہ ہم پر یہ بارش ستاروں کی وجہ سے برسی وہ میرے ساتھ کفر کرنے والے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والے ہوئے۔

① یہ بہت اہم مسئلہ ہے لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلانی چاہئے اور تنبیہ کرنی چاہئے تاکہ وہ شرک کے مرتکب نہ ہوجائیں۔ ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات اس قدر ہیں کہ شمار سے باہر' اس لیے ہمارا یہ فرض اور حق ہے کہ اس کے انعامات کی نسبت اسی کی طرف کریں اور انہیں یاد کرکے اس کا شکریہ ادا کریں اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے کا سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کی نسبت اسی مالک کی طرف کی جائے جس کی یہ نوازش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

﴿ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ﴾ (الضحی ۹۳/ ۱۱)

''اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتے رہیے۔''

یعنی یہ کہتے رہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یہ اس کی نعمت ہے اور یہ اس کا احسان ہے کیونکہ جب دل مخلوق میں سے کسی کی طرف مائل ہونے لگتا ہے تو انسان شرک کا مرتکب ہوجاتا ہے اور شرک سراسر توحید کے منافی ہے۔

② اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار کی یہ صورتیں بالعموم لوگوں کی زبانوں پر رائج ہیں۔

③ اس قسم کی باتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے انکار کے مترادف ہیں۔

④ ایک دل میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار اور انکار' دونوں کا اجتماع ممکن ہے۔

باب : ۴۱

شرک کی بعض مخفی صورتیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۲۲)

''پس تم دانستہ طور پر اوروں کو اللہ کے شریک نہ ٹھہراؤ۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ ''اَنْدَاد'' سے مراد شرک ہے جو رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ مثلاً یوں کہنا ''وَاللّٰهِ وَ حَيَاتِكَ'' (اللہ تعالیٰ کی اور تیری زندگی کی قسم) ''يَا فُلَانُ وَ حَيَاتِي'' (اے فلاں! میری جان کی قسم) ''لَوْلَا كُلَيْبَةُ هٰذَا لَاتَانَا اللُّصُوصُ'' (اگر اس شخص کی کتیا نہ ہوتی تو ہمیں چور آلیتے۔) ''لَوْلَا الْبَطُّ فِي الدَّارِ لَاَتَانَا اللُّصُوْصُ'' (اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمیں چور آلیتے) یا کسی سے یہ کہنا کہ ''مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ'' (وہی ہو گا جو اللہ چاہے گا اور تم چاہو گے) ''لَوْ لَا اللّٰهُ وَ فُلَانٌ'' (اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا تو ------) اس قسم کی تمام باتیں شرک ہیں۔

تم اس قسم کی باتوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کا نام نہ لو۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں۔ [1]

(سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] (تفسیر ابن ابی حاتم' رقم ۲۲۹' تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۹۴) **توحید کی حقیقت:** توحید کی اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا کوئی شریک ہو نہ کوئی ساجھی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے نام کی قسم اٹھانا یا یوں کہنا کہ ''وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے گا۔'' یہ بھی شرک ہے۔ ایسے مواقع پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا چاہیے۔ توحید کا اولین اور کامل ترین درجہ یہ ⟵

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ»(جامع الترمذي، الأيمان والنذور، باب ما جاء أن من حلف بغير الله فقد أشرك، ح: ١٥٣٥ والمستدرك للحاكم: ١/ ١٨)

"جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم اٹھائی' اس نے کفر کیا یا شرک کا ارتکاب کیا" ①

◄ ہے کہ یوں کہا جائے "اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو فلاں کام نہ ہوتا۔" البتہ یوں کہنا جائز ہے کہ "اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا اور پھر فلاں آدمی کا تعاون نہ ہوتا تو میرا فلاں کام نہ ہو سکتا۔" اس صورت میں فلاں (غیراللہ) کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے کم تر بیان ہوا ہے' اس لیے ایسا کلمہ جائز ہے۔ یہ اصل توحید کے منافی تو نہیں البتہ توحید کے اعلیٰ درجے کے منافی ہے۔ لیکن اگر یوں کہا جائے کہ "اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ چاہتا تو یہ کام نہ ہوتا۔" یہ قول ناجائز اور حرام بلکہ شرک ہے۔

اسی لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "تم اپنے کسی کام میں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔"

① اس حدیث کے راوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بن خطاب ہیں نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب۔ مصنف رحمہ اللہ سے یہاں سہو ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ درج بالا حدیث شریف میں غیراللہ کے نام کی قسم کھانے کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ قسم کا معنی ہوتا ہے کہ کلام میں تاکید پیدا کرنے کے لیے کسی ایسی شخصیت کا نام لینا جو مخاطب اور متکلم دونوں کے ہاں لائق تعظیم ہو۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو ہر کسی کے ہاں لائق تعظیم ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کلام میں تاکید اور پختگی پیدا کرنے کے لیے اس کے سوا کسی اور کا نام نہ لیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ اس کے سوا کسی اور کے نام کی قسم نہیں کھانی چاہئے۔

غیراللہ کی قسم شرک کیوں ہے؟: غیراللہ کی قسم اٹھانا اس لیے شرک ہے کہ ایسی صورت میں مخلوق کو اللہ جیسا قرار دیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور مخلوق کی تعظیم اسی طرح ہو رہی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ ایسا کرنا کفر اصغر اور شرک اصغر ہے۔ البتہ عبادات میں' غیراللہ کی تعظیم اسی طرح کرنا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے' شرک اکبر ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص دلی طور پر غیراللہ کی قسم نہیں اٹھانا چاہتا' البتہ اس کی زبان سے غیرارادی طور پر نبی کی قسم' کعبہ کی قسم' امانت کی قسم' یا ولی کی قسم وغیرہ کے الفاظ بے ساختہ نکل جاتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے کیونکہ اس سے اس کے نزدیک غیراللہ کی اہمیت اور تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لأَنْ أَحْلِفَ بِاللهِ كَاذِبًا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ بِغَيْرِهِ صَادِقًا» (معجم الكبير للطبراني: ٩/ ١٨٣، رقم: ٨٩٠٢ ومصنف عبدالرزاق: ٨/ ٤٦٩، رقم: ١٥٩٢٩)

''میرے نزدیک غیراللہ کی سچی قسم اٹھانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم اٹھانا زیادہ بہتر ہے۔''[1]

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَقُوْلُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلاَنٌ وَّلٰكِنْ قُوْلُوا: مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلاَنٌ»(سنن أبي داود، الأدب، باب لا يقال خبثت نفسي، ح: ٤٩٨٠)

''یوں نہ کہو ''جو اللہ تعالیٰ چاہے اور فلاں چاہے'' (وہی ہو گا) بلکہ یوں کہو (وہی ہو گا) جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر جو فلاں چاہے۔''[2]

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ یوں کہنا ناپسند اور مکروہ جانتے تھے کہ ''اَعُوذُ بِاللّٰهِ وَبِكَ'' (میں اللہ تعالیٰ کی اور تمہاری پناہ چاہتا ہوں) البتہ ''اَعُوذُ بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ'' (میں اللہ تعالیٰ کی اور پھر تمہاری پناہ چاہتا ہوں) کہنا جائز سمجھتے تھے اور فرماتے کہ ''لَوْ لاَ اللّٰهُ ثُمَّ فُلاَنٌ'' (اگر اللہ

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ غیراللہ کی قسم اٹھانا بہت بڑا گناہ اور شرک ہے۔ جھوٹ اگرچہ کبیرہ گناہ ہے' تاہم شرک کئی کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا جرم ہے۔ سچائی میں شرک کی آمیزش کی بہ نسبت' توحید میں جھوٹ کی آمیزش کم تر گناہ ہے۔ کیونکہ توحید والی نیکی جھوٹ سے عظیم تر اور شرک کا گناہ جھوٹ کے گناہ سے عظیم ترین ہے۔

[2] یہ نہی (ممانعت)' تحریم کے لیے ہے یعنی ایسی بات کہنا حرام ہے۔ کیونکہ ایسے الفاظ کے ذریعہ مشیئت میں' اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیراللہ کو شریک کیا جاتا ہے' البتہ یوں کہنا جائز ہے ''وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر فلاں چاہے۔''

کیونکہ انسان کی مشیئت اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے تابع ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا تَشَآءُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ﴾ (الدهر ٧٦/ ٣٠)

''تم نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے''۔

تعالیٰ اور پھر فلاں نہ ہوتا تو ۔۔۔۔) کہہ سکتے ہیں۔ البتہ "لَوْلَا اللّٰهُ وَ فُلَانٌ" (اگر اللہ تعالیٰ اور فلاں نہ ہوتا تو ۔۔۔۔) کہنا ناجائز ہے۔ [1]

مسائل

① اس باب میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲ کے لفظ "اَنْدَاد" کی تفسیر موجود ہے۔

② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرک اکبر کے متعلق وارد شدہ آیات کی تفسیر اس انداز سے کرتے تھے کہ وہ شرک اصغر کو بھی واضح کرتیں۔

③ غیراللہ کی قسم اٹھانا شرک ہے۔

④ اور غیراللہ کے نام کی سچی قسم کھانا' اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھانے سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔

⑤ واؤ (اور) اور "ثُمَّ" (پھر) کے الفاظ میں معنوی فرق ہے۔

---

[1] کیونکہ اول الذکر جملہ میں پناہ طلب کرنے کے لیے غیراللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا ہے کیونکہ جس سے پناہ مانگی جائے اس کے سامنے التجا اور اس کے ساتھ مضبوط تعلق ہونے کے علاوہ اس کی طرف رغبت' اس کا ڈر اور خوف اور دل کی اس کے ساتھ مکمل وابستگی ہوتی ہے۔ اس قسم کا تعلق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔

اسلاف نے عام طور پر کراہت (ناپسندیدگی) کا لفظ حرام کے معنی ہی میں استعمال کیا ہے۔ بسا اوقات یہ لفظ (کراہت) ایسی چیز پر بھی بول دیا جاتا ہے جو حرام نہ ہو۔ لیکن یہ لفظ ایسے موقع پر ہی بولا جاتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔

باب : ۴۲

اللہ تعالیٰ کی قسم پر اکتفانہ کرنے والے کا حکم

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تَحْلِفُوا بِآبَآءِكُمْ، مَنْ حَلَفَ بِاللهِ فَلْيَصْدُقْ، وَمَنْ حُلِفَ لَهُ بِاللهِ فَلْيَرْضَ، وَمَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ»(سنن ابن ماجه، الكفارات، باب من حلف له بالله فليرض، ح: ۲۱۰۱)

''تم اپنے آباؤاجداد کی قسمیں نہ اٹھایا کرو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائے اسے چاہیے کہ وہ سچی قسم اٹھائے۔ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی جائے اسے چاہئے کہ وہ اسے تسلیم کرے' اور جو اسے تسلیم نہ کرے' اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔''①

---

① قسم قاضی کے سامنے اٹھائی جائے یا کسی دوسری جگہ' یہ حکم عام ہے کہ کسی بھی صورت میں غیراللہ اور آباؤاجداد کی قسم اٹھانا جائز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی قسم بھی صرف اسی صورت میں جائز ہے جب آدمی سچا ہو۔ اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی جائے اسے چاہئے کہ وہ اس پر راضی ہو جائے یعنی قسم اٹھانے والے کی قسم پر اعتبار کرلے اور معاملہ اللہ کے سپرد کردے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھانا اس کی تعظیم کا اظہار ہے' لہٰذا اس کی تعظیم کا تقاضا ہے کہ اس کا نام سن کر آدمی اعتبار کرے اور معاملہ اس کے سپرد کر دے۔ اور اسے خواہ مخواہ جھوٹا قرار نہ دے کیونکہ اگر وہ فی الواقع جھوٹا ہوا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔

اور جو شخص قسم پر راضی نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ کسی سے قسم اٹھوا کر اس پر اکتفانہ کرنا اور اسے تسلیم نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

مسائل

① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آباؤاجداد کی قسم اٹھانا منع ہے۔

② اور اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھوانے والے کو چاہیے کہ وہ اس قسم کو تسلیم کر کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

③ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھوانے کے بعد بھی راضی نہ ہو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

باب : ۴۳

”وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں“ کہنے کا حکم ①

قُتَیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«أَنَّ يَهُودِيًّا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَآءَ اللهُ وَشِئْتَ، وَتَقُولُونَ: وَالْكَعْبَةِ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، وَأَنْ يَقُولُوا: مَا شَآءَ اللهُ ثُمَّ شِئْتَ»(سنن النسائي، الأيمان والنذور، باب الحلف بالكعبة، ح: ٣٨٠٤)

”ایک یہودی نے نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا: تم (مسلمان) لوگ شرک کرتے ہو۔ یوں کہتے ہو ”مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں) نیز تم کعبہ کی قسم بھی اٹھاتے ہو۔ تو نبی ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے ربِ کعبہ کی قسم اٹھایا کریں اور ”مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں) کی بجائے ”مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ“ (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر آپ چاہیں) کہا کریں۔“ ②

---

① کسی سے یوں کہنا کہ ”وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور جو آپ چاہیں“ یہ شرک ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیراللہ کو مشیئت میں شریک کر دیا جاتا ہے۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات حق، خواہشات نفس کے پجاری کی سمجھ میں بھی آجاتا ہے لہٰذا جب حق اس کی سمجھ میں آجائے اور وہ حق بتلائے تو اس سے لے لینا چاہیے کیونکہ مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اسے حق جہاں سے بھی ملے، خواہ یہودی سے یا عیسائی سے، اسے قبول کر لے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

«أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ مَا شَآءَ اللهُ وَشِئْتَ فَقَالَ: أَجَعَلْتَنِي للهِ نِدًّا؟ بَلْ مَا شَآءَ اللهُ وَحْدَهُ»(عمل اليوم والليلة للنسائي، ح:٩٨٨ ومسند أحمد: ١/ ٢١٤)

"ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا: "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" (وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ اور آپ چاہیں) تو آپ نے فرمایا: تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا؟ صرف اتنا کہو "مَاشَاءَ اللّٰهُ" "وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادری بھائی طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أَتَيْتُ عَلَى نَفَرٍ مِّنَ الْيَهُودِ قُلْتُ: إِنَّكُمْ لأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تَقُولُونَ عُزَيْرٌ ابْنُ اللهِ، قَالُوا: وَأَنْتُمْ لأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰى فَقُلْتُ إِنَّكُمْ لأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: الْمَسِيْحَ ابْنُ اللهِ قَالُوا: وَأَنْتُمْ لأَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ. فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ أَخْبَرْتُ، ثُمَّ أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ، قَالَ: هَلْ أَخْبَرْتَ بِهَا أَحَدًا؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ طُفَيْلاً رَأٰى رُؤْيَا أَخْبَرَ بِهَا مَنْ أَخْبَرَ مِنْكُمْ، وَإِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِي كَذَا وَكَذَا أَنْ أَنْهَاكُمْ عَنْهَا، فَلاَ تَقُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَّلٰكِنْ قُولُوا: مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ»(سنن ابن ماجه، الكفارات، باب النهي أن يقال ماشاء الله وشئت، ح:٢١١٨ ومسند أحمد: ٥/ ٧٢)

"میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میرا گزر یہود کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا۔ میں نے ان سے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم عزیر (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ کہو، تو انہوں نے جواباً کہا: تم بھی اچھے ہو اگر تم "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" (وہی ہو گا جو

اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ چاہیں) نہ کہو' اس کے بعد میرا گزر عیسائیوں کے ایک گروہ کے پاس سے ہوا۔ میں نے ان سے کہا: تم اچھے لوگ ہو اگر تم مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے جواباً کہا: تم بھی اگر "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" نہ کہو تو بہت اچھے ہو۔ صبح ہوئی تو میں نے کچھ لوگوں سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ پھر نبی (ﷺ) کی خدمت میں آکر آپ سے ساری بات بیان کی۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: تم نے اس خواب کا کسی سے ذکر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا: امابعد! طفیل نے خواب دیکھا ہے اور اس نے تم میں سے بعض لوگوں کے سامنے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ تم ایک جملہ بولا کرتے ہو' تمہیں اس سے روکنے میں مجھے ہچکچاہٹ رہی۔ تم "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ" (وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور محمد (ﷺ) چاہیں) نہ کہا کرو بلکہ صرف "مَاشَاءَ اللّٰهُ" (وہی ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے) کہا کرو۔" [1]

مسائل

① اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہودی شرک اصغر سے واقف تھے۔

② نیز اگر انسان کی خواہش ہو تو حق اور باطل میں تمیز' اس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات گناہ گار' کافر اور غلط عقیدہ کا حامل آدمی کسی صحیح العقیدہ آدمی کی بات پر اعتراض کر سکتا ہے کہ جس طرح میں غلط ہوں' تم بھی تو فلاں غلط کام کرتے ہو۔ ایسی صورت میں صحیح العقیدہ آدمی کو چاہیے کہ وہ حق بات کو تسلیم کر لے اور اسے محض اس لیے رد نہ کردے کہ وہ غلط عقیدہ والے نے کہی ہے۔

یاد رہے! رسول اللہ ﷺ نے شرک اکبر سے تو آغاز تبلیغ ہی میں منع فرمادیا تھا' البتہ مسائل کی اہمیت کے لحاظ سے انہیں بالتدریج الاھم فالاھم بیان کیا گیا۔ شرک فی الالفاظ کو آپ نے اسی مصلحت کے تحت مؤخر کر دیا تھا کہ کسی مناسب موقع پر امت کو منع کر دیا جائے گا۔ جہاں تک شرک اکبر کا مسئلہ تھا' اس کے باقی رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں تھی۔

③ کہنے والے نے "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ" کہا تو نبی کریم ﷺ نے اس پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ تو جو شخص یوں کہے "مَالِي مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ" (یا رسول اللہ!) "آپ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی میں پناہ لے سکوں۔" اس بات کے شرک اور کہنے والے کے مشرک ہونے میں کیا شک ہے؟ یا کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو پکارتے ہوئے یوں کہے' اے امام المرسلین! میرا تو صرف آپ ہی پر بھروسہ ہے۔ آپ ہی میرا آسرا اور میرے لیے اللہ کا دروازہ ہیں۔ اس دنیا میں آپ میرا ہاتھ تھامے رہیں اور آخرت میں بھی میرا ہاتھ پکڑیں کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی بھی میری تنگی کو آسانی میں نہیں بدل سکتا۔ اس قسم کی باتیں بلاشبہ شرک ہیں۔

④ "مَاشَاءَ اللّٰهُ وَ شِئْتَ" وغیرہ کلمات اگرچہ نامناسب اور شرک اصغر ہیں تاہم شرک اکبر نہیں۔ ورنہ آپ بہت پہلے ان سے روک دیتے اور یوں نہ فرماتے کہ تمہیں ان الفاظ سے روکنے میں مجھے ہچکچاہٹ رہی۔

⑤ اچھا خواب وحی کی ایک قسم ہے۔

⑥ بلکہ اچھا خواب بسااوقات بعض احکام کی مشروعیت کا سبب بن جاتا ہے۔

باب : ۴۴

زمانے کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے [1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ ﴾ (الجاثیۃ ۴۵/ ۲۴)

''اور وہ کہتے ہیں ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے۔ ہم یہاں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں مار دیتا ہے۔ انہیں حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ اور وہ محض گمان سے کام لیتے ہیں۔'' [2]

---

[1] زمانے کو گالی دینا یا برا بھلا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ یہ بات توحید کے منافی ہے۔ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے۔ جہلاء کی عادت ہے کہ جب کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف ہو تو زمانے کو برا بھلا کہنے یا گالیاں دینے لگتے ہیں اور اس دن' ماہ یا سال کو لعنتی قرار دے کر شر یا برائی کی نسبت زمانہ کی طرف کرتے ہیں کہ زمانہ بڑا خراب ہے' بڑا خراب زمانہ آگیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ زمانہ تو کوئی کام ہی نہیں کرتا۔ زمانے میں حقیقی متصرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کا خالق بھی وہی ہے لہٰذا زمانے کو برا بھلا کہنا اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف ہے۔ البتہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ سال بڑے سخت ہیں' یہ دن بڑے سیاہ ہیں' یہ مہینے بڑے منحوس ہیں تو اس قسم کے الفاظ پر کوئی مواخذہ نہیں کیونکہ ان سے متکلم کی مراد یہ ہوتی ہے کہ میرے لیے یہ سال بڑے سخت' یہ مہینے بڑے منحوس (نامبارک) یا یہ دن بڑے سیاہ ہیں۔ اس سے وہ زمانے کو برا نہیں کہتا بلکہ اپنے حالات بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ الفاظ مذموم نہیں۔

[2] حالات و واقعات کی نسبت زمانہ کی طرف کرنا مشرکین کا طریقہ ہے۔ جبکہ اہل توحید تمام امور کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کرتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَالَ اللهُ تَعَالٰى: يُؤْذِينِي ابْنُ آدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ»(صحيح البخاري، التفسير، سورة حم الحاثية، باب وما يهلكنا إلا الدهر، ح:٤٨٢٦ وصحيح مسلم، الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن سب الدهر، ح:٢٢٤٦)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ابن آدم زمانے کو گالیاں دے کر (برا بھلا کہہ کر) مجھے ایذا پہنچاتا ہے کیونکہ (درحقیقت) میں ہی زمانہ (کا خالق اور مالک) ہوں۔ دن اور رات کو میں ہی تبدیل کرتا ہوں۔"

اور ایک روایت میں ہے:

«لاَ تَسُبُّوا الدَّهْرَ، فَإِنَّ اللهَ هُوَ الدَّهْرُ»(صحيح مسلم، الألفاظ من الأدب، باب النهي عن سب الدهر، ح:٢٢٤٦)

"زمانہ کو گالی مت دو (برا بھلا مت کہو) کیونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے۔"[1]

مسائل

① ان احادیث میں زمانے کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانے کو برا بھلا کہنا' اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے مترادف قرار دیا ہے۔

③ "فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْر" (درحقیقت اللہ ہی زمانہ ہے) یہ جملہ ازحد قابل توجہ ہے۔

④ انسان کو سب و شتم سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے کیونکہ بسااوقات لاشعوری طور پر انسان سب و شتم کا مرتکب ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اس کا ارادہ نہ بھی کرے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ "الدھر" (زمانہ) اللہ تعالیٰ کا نام ہے بلکہ اس سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ زمانہ ازخود نہ تو کسی چیز کا مالک ہے اور نہ کچھ کرتا یا کر سکتا ہے بلکہ زمانے میں حقیقی مصرف اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا زمانے کو برا بھلا کہنا' اس میں تصرف کرنے والے اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے کے مترادف ہے۔

باب : ۴۵

شہنشاہ، قاضی القضاۃ اور اس قسم کے القاب کی شرعی حیثیت ①

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى بِمَلِكِ الأَمْلاَكِ، لاَ مَالِكَ إِلاَّ اللهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب أبغض الأسماء إلى الله، ح:٦٢٠٦ وصحيح مسلم، الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك . . . ، ح:٢١٤٣)

"اللہ کے نزدیک سب سے گھٹیا، ناپسند اور حقیر نام اس شخص کا ہے جو اپنے آپ کو بادشاہوں کا بادشاہ (شہنشاہ) کہلوائے کیونکہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) بادشاہ نہیں۔"

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے "ملک الاملاک" (بادشاہوں کا بادشاہ) کا ترجمہ شاہان شاہ یعنی "شہنشاہ" کیا ہے۔ ②

دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«أَغْيَظُ رَجُلٍ عَلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَخْبَثُهُ»(صحيح مسلم، الآداب، باب تحريم التسمي بملك الأملاك . . . ، ح:٢١٤٣ ومسند أحمد:٢/ ٣١٥)

"یعنی قیامت کے دن سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے غصے اور ناراضی کا مستحق اور سب سے بڑا خبیث شخص (وہ ہو گا جو اپنے آپ کو "شہنشاہ" کہلوائے)" ③

---

① یعنی جن اسماء و القاب کے معانی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہیں، توحید کا تقاضا ہے کہ ایسے اسماء اور القاب صرف اسی کے لیے استعمال کئے جائیں، مخلوق میں سے کسی کے لیے ان کا استعمال ناجائز ہے۔

② انسان کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ فلاں چیز کا مالک ہے یا فلاں ملک کا بادشاہ ہے۔ مگر یوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ تمام ملکوں کا بادشاہ ہے۔ لہٰذا توحید کا تقاضا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو شہنشاہ نہ کہا جائے اور اگر کسی کے نام کے ساتھ کہیں لکھا ہوا ہو تو اسے مٹا دینا چاہئے۔

③ کیونکہ اس نے اس نام میں اپنے آپ کو اللہ کا ہمسر اور ساجھی بنانے کی کوشش کی۔

مسائل

① اس بحث سے معلوم ہوا کہ ''ملک الاملاک'' یعنی ''بادشاہوں کا بادشاہ'' کہلوانا منع ہے۔

② اس کے علاوہ دیگر اسماء و القاب جو اسی قسم ''ملک الاملاک'' کا معنی و مفہوم رکھتے ہوں سب منع ہیں جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مثال کے طور پر لفظ شہنشاہ بتایا ہے۔

③ اس قسم کے اسماء و القاب کی ناپسندیدگی بھی شدید ضروری ہے۔ اگرچہ کسی کے دل میں ان الفاظ کا حقیقی معنی نہ بھی ہو تب بھی یہ ناپسند اور ممنوع ہیں' لہٰذا ہر حال میں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

④ اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ محض اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر اس قسم کے اسماء والقاب سے منع کیا گیا ہے۔

باب : ۴۶

اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعظیم و تکریم اور اس وجہ سے کسی کے نام کی تبدیلی [1]

ابو شریح رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری کنیت "ابوالحکم" تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ، فَقَالَ: إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيءٍ أَتَوْنِي فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ، فَرَضِيَ كِلاَ الْفَرِيقَيْنِ، فَقَالَ: مَا أَحْسَنَ هٰذَا، فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ؟ قَالَ: شُرَيْحٌ، وَمُسْلِمٌ، وَعَبْدُاللهِ، قَالَ: فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟ قُلْتُ: شُرَيْحٌ، قَالَ: فَأَنْتَ أَبُوْ شُرَيْحٍ» (سنن أبي داود، الأدب، باب تغيير الإسم القبيح، ح:٤٩٥٥ وسنن النسائي، آداب القضاة، باب إذا حكموا رجلا فقضى بينهم، ح:٥٣٨٩)

"حَکَم" (فیصلہ کرنے والا) اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور حکم بھی اسی کا نافذ ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا: میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جائے تو وہ جھگڑا میرے پاس لاتے ہیں تو میں ان کے درمیان فیصلہ کر دیتا ہوں' اس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ کیسی اچھی بات ہے۔" پھر فرمایا: تمہارے بیٹوں کے کیا نام

---

[1] ایک موحد مسلمان کو اپنے دل میں اور زبان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی کا جو احترام ملحوظ رکھنا چاہیے اس باب میں اس کا بیان ہے۔ یہ احترام بسااوقات مستحب اور بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء کے احترام کا تقاضا ہے کہ ان کی بے حرمتی نہ کی جائے اور وہ نام مخلوق میں سے کسی کے نہ رکھے جائیں۔

ہیں؟ میں نے کہا: شریح، مسلم اور عبداللہ۔ آپ نے دریافت فرمایا: ان میں سب سے بڑا کون ہے؟ میں نے بتایا کہ شریح، تو آپ نے فرمایا: تم ابو شریح ہو۔ یعنی آج سے تمہاری کنیت "ابو شریح" ہے۔ [1]

مسائل

① اس بحث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا مکمل احترام کرنا لازم اور ایمانی تقاضا ہے اگرچہ یہ نام دوسروں کے لیے استعمال کرتے وقت ان کا معنیٰ، مقصود نہ بھی ہو۔

② اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے احترام کے پیش نظر غلط اور شرکیہ ناموں اور کنیتوں کو تبدیل کر دینا چاہیے۔

③ کنیت کے لیے سب سے بڑے بیٹے کا انتخاب کرنا مستحب ہے۔

---

[1] "حکم" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ "ابوالحکم" کا معنی ہوا حکم کا یعنی اللہ تعالیٰ کا باپ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی نے نہیں جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا۔ لہٰذا ایسی کنیت رکھنا جائز نہیں۔

"ابوالحکم" کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے "فیصلے کرنے والا" مگر چونکہ حقیقی اور درست فیصلے کرنے والا بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ انسانوں کے فیصلے عارضی اور وقتی ہیں۔ لہٰذا اس وصف کا اصل حقدار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے اسماء و صفات کے احترام کے پیش نظر، رسول اللہ ﷺ نے "ابوالحکم" کو ناپسند کر کے کنیت تبدیل کر دی۔

باب : ۴۷

اللہ تعالیٰ' قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے والے کے بارے میں حکم ①

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ ﴾ (التوبة۹/ ٦٥)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے؟) تو کہیں گے ''ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ تمہاری دل لگی کے لیے اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول ہی (رہ گئے) ہیں؟'' ②

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما' محمد بن کعب' زید بن اسلم اور قتادہ رحمہم اللہ سے مختلف الفاظ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک منافق نے کہا: ہم نے پیٹ کے پجاری' زبان کے جھوٹے اور میدان جنگ میں سب سے زیادہ بزدل' ان علم والوں سے بڑھ کر اور کوئی نہیں دیکھے۔ اس کی مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قراء

---

① اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان سے تسلیم کرنا' ان کی اتباع' ان کو قبول کرنا اور ان کی تعظیم کرنا بھی توحید کا تقاضا ہے اور اللہ تعالیٰ' قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانا ان کی مخالفت اور ان کی تعظیم کے منافی ہے۔ اس لیے یہ عمل بہت بڑا کفر ہے۔ اسی طرح دین اسلام کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے۔

② یہ آیت نص ہے کہ اللہ تعالیٰ' رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید سے استہزاء کرنا کفر ہے اور ایسا کرنے والا آدمی کافر ہے اگرچہ وہ یہ عذر ہی پیش کیوں نہ کرے کہ میں تو دل لگی اور ہنسی مذاق کے لیے یہ باتیں کرتا ہوں۔ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے برعکس اہل توحید کبھی اللہ تعالیٰ' اس کے رسول یا قرآن مجید سے استہزاء نہیں کرتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: تو جھوٹا ہے اور (پکا) منافق ہے' میں تیری بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا چنانچہ عوف رضی اللہ عنہ بتانے کی غرض سے آپ کے پاس گئے مگر ان کے آنے سے پہلے وحی نازل ہو چکی تھی۔ وہ منافق بھی آپ کی خدمت میں (معذرت کے لیے) آ پہنچا' آپ اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہو چکے تھے۔ وہ بولا: یارسول اللہ! ہم لوگ تو محض دل بہلانے کے لیے ایسی بات چیت اور سواروں کی سی باتیں کر رہے تھے' تاکہ سفر کی مشقت ہلکی کر سکیں (اور بوریت نہ ہو) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "وہ منظر اب بھی میرے سامنے ہے کہ وہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوے کی رسی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور پتھر اس کے پاؤں سے ٹکرا رہے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے "ہم تو محض بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

﴿ أَبِاللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ وَرَسُولِهِۦ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا۟ قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَٰنِكُمْ ﴾ (التوبة۹/ ٦٥-٦٦)

"کیا اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول ہی تمہارے ہنسی مذاق کے لیے رہ گئے ہیں۔ تم بہانے نہ بناؤ۔ یقیناً تم نے ایمان لانے کے بعد (یہ بات کر کے) کفر کا ارتکاب کیا ہے۔"

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف التفات فرما رہے تھے نہ اس پر کچھ مزید فرما رہے تھے۔"[1]

مسائل

① اس باب سے ایک عظیم مسئلہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذاق اڑائے' وہ کافر ہے۔

② اس آیت کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو' وہ کافر ہے۔

---

[1] (تفسیر ابن جریر الطبری' رقم' ۱۶۹۱۲' ۱۶۹۱۶' ۱۶۹۱۱' ۱۶۹۱۴' ۱۹۱۵' وابن ابی حاتم وأبو الشیخ وابن مردویه' کمافی الدر المنثور (۴/۲۳۰) واسنادہ حسن

③ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے اخلاص اور چغلی کے درمیان فرق بھی واضح ہوا۔

④ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز عفو و درگزر اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے میں فرق بھی واضح ہوا۔

⑤ اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض عذر ناقابل قبول ہوتے ہیں۔

باب : ۴۸

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری، تکبر کی علامت اور بہت بڑا جرم ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَئِنْ أَذَقْنَٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِى وَمَآ أَظُنُّ ٱلسَّاعَةَ قَآئِمَةً وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّىٓ إِنَّ لِى عِندَهُۥ لَلْحُسْنَىٰ ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِمَا عَمِلُوا۟ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴾ (فصلت ۴۱/ ۵۰)

"اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اسے اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو کہتا ہے "یہ تو میرا حق تھا' اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آئے گی' اور اگر میں واقعی اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو وہاں بھی خوش حالی ہو گی۔ پس کفر کرنے والوں کو ہم ضرور بتائیں گے کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے اور انہیں ہم سخت عذاب سے دوچار کریں گے۔"

امام مجاہد رحمہ اللہ نے "هٰذَا لِی" کی تفسیر میں فرمایا:

"هٰذَا بِعَمَلِی وَاَنَا مَحْقُوقٌ بِهٖ"۔ "یہ مال و دولت تو میری محنت و کاوش کا نتیجہ ہے اور میں اس کا حق دار بھی ہوں۔" (تفسیر الطبری)

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ "یہ میری اپنی کاوش ہے۔" [1]

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

---

[1] یعنی وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت دے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں تو اپنی محنت' شرف اور بزرگی کی بنا پر ویسے ہی اس چیز کا حق دار تھا۔ گویا اس چیز کے حصول کو وہ اپنی محنت کا نتیجہ اور اپنا استحقاق قرار دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان و انعام اور فضل کو یکسر فراموش کر دیتا ہے جبکہ انسان ⟸

﴿قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِيٓ﴾ (القصص ۲۸/ ۷۸)

"(قارون نے) کہا کہ مجھے یہ سب کچھ میری اپنی سمجھ کی بنا پر دیا گیا ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عَلٰی عِلْمٍ مِّنِّی بِوُجُوہِ الْمَکَاسِبِ" یعنی اس نے کہا کہ یہ مال مجھے کمائی کے تجربے اور علم کی بدولت ملا ہے۔(تفسیر الدر المنثور)

دیگر اہل علم نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے: "وہ کہتا تھا کہ یہ مال و دولت تو مجھے اس لیے ملا کہ میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق اس کا اہل اور حق دار ہوں۔" مجاہد کے قول کا معنی بھی یہی ہے کہ وہ کہتا ہے: "یہ مال و ثروت مجھے بزرگی اور شرف کی بنا پر ملا ہے۔" [1] (تفسیر الطبری)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ: أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَىٰ، فَأَرَادَ اللهُ أَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَّلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَوْنٌ حَسَنٌ، وَّجِلْدٌ حَسَنٌ، وَّيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ، قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ، وَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَّجِلْدًا حَسَنًا قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْإِبِلُ أَوِ الْبَقَرُ - شَكَّ إِسْحَاقُ - فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ، وَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا قَالَ: فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ

کی محنت و کاوش ایک سبب ضرور ہے۔ بسا اوقات یہ سبب اللہ کے حکم سے مؤثر ثابت ہوتا ہے اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے بھی انسان کو اس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ گویا اصل معاملہ اللہ کے فضل اور اس کی عنایت کا ہے۔ انسان کا اپنا یا اس کے سبب کا کوئی کمال نہیں۔

[1] گویا بعض اصحاب ثروت جب خوش حال ہوتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل طور پر غافل ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار، دولت اور تجارت وغیرہ کو اپنی ذہانت، محنت اور کوشش کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب تو ان کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کا فضل ہے۔

حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ بِهِ، قَالَ: فَمَسَحَهُ، فَذَهَبَ عَنْهُ وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا، قَالَ: أَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْبَقَرُ ـ أَوِ الإِبِلُ ـ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً، وَّقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ، فِيهَا فَأَتَى الأَعْمٰى فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: أَنْ يَّرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ النَّاسَ، فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ، قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: الْغَنَمُ، فَأُعْطِيَ شَاةً وَّالِدًا، فَأَنْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا، فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الإِبِلِ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ، وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مَّسْكِيْنٌ وَّابْنُ سَبِيْلٍ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلاَ بَلاَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ ـ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ ـ بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ: الْحُقُوقُ كَثِيرَةٌ فَقَالَ لَهُ: كَأَنِّي أَعْرِفُكَ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ، فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ الْمَالَ؟ فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، قَالَ: ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا، وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَيْهِ هٰذَا، فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ، قَالَ: وأَتَى الأَعْمٰى فِيْ صُورَتِهِ فَقَالَ: رَجُلٌ مِّسْكِينٌ وَّابْنُ سَبِيلٍ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلاَ بَلاَغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ ـ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ ـ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي، فَقَالَ: قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي، فَخُذْ مَا شِئْتَ، وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ لاَ أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لله، فَقَالَ: أَمْسِكْ مَالَكَ، فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ»(صحيح

البخاري، أحاديث الأنبياء، باب حديث أبرص وأعمى وأقرع في بني إسرائيل، ح: ٣٤٦٤ وصحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، ح: ٢٩٦٤)

''بنی اسرائیل میں تین آدمی تھے' جن میں سے ایک پھلبہری والا' دوسرا گنجا اور تیسرا نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کی غرض سے ان کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ وہ فرشتہ پھلبہری والے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا: تجھے کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھا رنگ' خوبصورت جلد اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے جس کے سبب لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بیماری رفع ہو گئی۔ اچھا رنگ اور خوبصورت جلد مل گئی۔ فرشتے نے پھر پوچھا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ .....یا..... گائے۔ (راوی اسحاق کو ان دونوں لفظوں کے بارے میں تردد ہے کہ کون سا لفظ اس نے کہا) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے دعا کی "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا" (اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس اونٹنی میں برکت فرمائے۔)

اس کے بعد وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: خوبصورت بال اور یہ کہ مجھ سے یہ بیماری رفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا' اس کی بیماری ختم ہو گئی اور اسے خوبصورت بال مل گئے۔ فرشتے نے اس سے پوچھا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اونٹ .....یا..... گائے۔ (یہ بھی راوی اسحاق کا شک ہے یعنی پھلبہری والے اور گنجے دونوں میں سے کسی ایک نے گائے اور دوسرے نے اونٹ مانگے) چنانچہ اسے ایک حاملہ گائے دے دی گئی۔ فرشتے نے دعا کی "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا" (اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس گائے میں برکت فرمائے۔) اس کے بعد وہ فرشتہ نابینے کے پاس آیا اور اس سے کہا: تجھے کون سی چیز زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری بینائی لوٹا دے' تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔'' فرشتے نے اس پر

ہاتھ پھیرا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ فرشتے نے کہا: تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: بکریاں، چنانچہ اسے حاملہ بکری دے دی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اونٹنی اور گائے نے خوب بچے دیے۔ بکری نے بھی خوب بچے جنے، چنانچہ پھلبہری والے کے پاس اونٹوں، گنجے کے پاس گائیوں اور نابینے کے پاس بکریوں کا میدان بھر گیا۔ پھر وہ فرشتہ پھلبہری والے کے پاس اپنی سی پہلی شکل و صورت میں آیا اور کہا: میں مسکین اور مسافر آدمی ہوں، میرا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے۔ آج اللہ کی مدد، یا پھر آپ کے تعاون کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو خوبصورت رنگ، خوبصورت جلد اور اس قدر کثیر مال عطا کیا ہے، اس کے نام پر ایک اونٹ مانگتا ہوں تاکہ میں دوران سفر اس کے ذریعے اپنی ضرورت پوری کر کے منزل تک پہنچ سکوں۔

اس آدمی نے کہا: میری ضرورتیں بہت زیادہ ہیں (میں تمہیں اونٹ نہیں دے سکتا) تو فرشتے نے کہا: غالباً میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں، کیا تو پھلبہری والا نہ تھا؟ لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو انتہائی غریب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ مال عطا کیا؟ وہ بولا: یہ مال تو مجھے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملا ہے۔

فرشتے نے کہا: اگر تو اس بات میں جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے جیسا بنا دے۔"

پھر وہ فرشتہ اسی پہلی شکل و صورت میں گنجے کے پاس آیا اور اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو پھلبہری والے سے کہی تھیں تو اس نے بھی وہی جواب دیے۔ فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔

پھر وہ فرشتہ اسی پہلی شکل و صورت میں اس نابینے کے پاس آیا اور کہا: میں ایک مسکین اور مسافر ہوں، میرا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے، اللہ کی مدد، یا پھر آپ کے تعاون کے بغیر میں آج گھر نہیں پہنچ سکتا۔ جس اللہ نے آپ کو بینائی عطا کی، اس کے نام پر آپ سے ایک بکری کا سوال ہے تاکہ میں دوران سفر میں اس سے اپنی ضرورت پوری کر کے منزل تک پہنچ سکوں۔

اس نے کہا: میں نابینا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بینائی لوٹا دی۔ جتنا چاہو لے جاؤ اور

جو چاہو چھوڑ جاؤ۔ آج اللہ کے نام پر جو کچھ بھی لے جاؤ میری طرف سے تمہیں کوئی سرزنش نہیں۔ تو فرشتے نے کہا: اپنا مال اپنے پاس ہی رکھو، تمہارا امتحان لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی اور تیرے دوسرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔ [1]

مسائل

① اس باب سے سورۂ فصلت کی آیت ۵۰ کی تفسیر واضح ہوئی جس میں ناشکرے انسان کو وعید سنائی گئی ہے۔

② "لَيَقُولَنَّ هٰذَا لِي" (کہ یہ تو میرا استحقاق تھا) کی تفسیر بھی واضح ہوئی۔

③ نیز "اِنَّمَا اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِي" (کہ یہ مال تو مجھے میرے علم اور کاروباری تجربے کی بدولت ملا ہے) کی تفسیر بھی معلوم ہوئی۔

④ حدیث میں مذکور تین افراد کے اس نصیحت آموز واقعہ میں جو عظیم عبرتیں پوشیدہ ہیں، اس باب میں ان کا بیان بھی ہے۔

---

[1] ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ان کی بیماریوں سے عافیت دی تو ان میں سے دو نے اس نعمت (صحت) کو اپنی طرف منسوب کیا۔ صرف ایک نے اس نعمت کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ناشکری کرنے والے دونوں کو ایسی سزا دی کہ انہیں ان کی سابقہ حالت میں لوٹا دیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ملی ہوئی نعمت (صحت) کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین بدلہ دیا اور اسے دائمی نعمت سے نوازا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جس کے لیے چاہے اپنی نعمت کو مستقل کر دیتا ہے اور جسے چاہے محروم کر دیتا ہے۔ جو شخص اپنے رب کی تعظیم کرے، اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ بجا لائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے وہ ہمیشہ سرفراز اور مالا مال رہتا ہے۔

ایک موحد مسلمان کا فرض ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھے کہ میں ہر چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہوں۔ اور کسی بھی چیز کے بارے میں میرا اللہ تعالیٰ پر کوئی استحقاق نہیں۔ وہی میرا رب ہے اور وہی میری بندگی کا مستحق ہے۔ اور وہ اس لائق ہے کہ بندے اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کریں، اسے یاد رکھیں اور ہر نعمت کو اسی کا فضل سمجھتے ہوئے اسی کی طرف منسوب کریں۔

باب : ۴۹

اولاد ملنے پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّآ ءَاتَىٰهُمَا صَٰلِحًا جَعَلَا لَهُۥ شُرَكَآءَ فِيمَآ ءَاتَىٰهُمَا ۚ فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۹۰)

"جب اللہ نے انہیں صحیح و تندرست بچہ دیا تو انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا۔ پس اللہ ان شرکیہ باتوں سے جو یہ کرتے ہیں' بلند تر ہے۔"

ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس نام میں غیراللہ کی عبدیت کا اظہار ہو' وہ حرام ہے' مثلاً عبد عمرو' اور عبدالکعبہ وغیرہ۔ البتہ "عبدالمطلب" نام میں اختلاف ہے۔ [1]

---

[1] غیراللہ کی طرف عبدیت کی نسبت تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہی ہے کیونکہ اس سے نعمتوں کی نسبت غیراللہ کی طرف ہو جاتی ہے جبکہ نعمتوں کا انتساب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جائز ہے۔ ربوبیت و الوہیت کا حق غیراللہ کو دینے میں حد درجہ سوء ادبی بھی ہے۔ نیز غیراللہ کا بندہ کہلانا یا کسی کو غیراللہ کا بندہ کہنا معنی کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔

عبدالمطلب: بعض اہل علم کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نام رکھنا حرام نہیں صرف مکروہ (ناپسند) ہے جبکہ یہ قول درست نہیں۔ ان کا استدلال نبی ﷺ کے اس فرمان سے ہے جو آپ نے غزوۂ حنین کے موقع پر فرمایا تھا۔ "اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ" "اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں اور میں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔" ان کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے دادا کا نام "عبدالمطلب" بول کر اپنی نسبت ان کی طرف کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عبدالمطلب نام رکھنا درست ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آپ نے اپنے دادا کی نسبت غیراللہ کی طرف کی ہے نہ ان کو غیراللہ کا بندہ کہا ہے بلکہ آپ نے تو اپنے دادا کا نام "عبدالمطلب" صرف اس لیے لیا ہے کہ لوگوں میں یہی نام مشہور و ⬅

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آدم و حوا علیہما السلام آپس میں ملے اور حوا حاملہ ہوئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں وہی ہوں جس نے تمہیں جنت سے نکالا تھا۔ تم میری ایک بات مان لو' تم اپنے بچے کا نام عبدالحارث رکھنا۔ ورنہ میں اس کے سر پر بارہ سنگے کے دو سینگ بنا دوں گا جن کی وجہ سے یہ بچہ تمہارا پیٹ چیر کر نکلے گا۔ میں یہ کر دوں گا اور وہ کر دوں گا۔ ایسی باتیں کر کے اس نے ان کو خوب ڈرایا دھمکایا مگر آدم و حوا علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا۔ حوا دوبارہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے آکر پھر وہی بات کہی مگر آدم و حواء علیہما السلام نے اس کی بات نہ مانی اور بچہ مردہ پیدا ہوا۔ پھر جب حوا تیسری مرتبہ حاملہ ہوئیں تو شیطان پھر آیا اور وہی باتیں کرنے لگا۔ ان کے دل میں بچے کی محبت پیدا ہوئی اور انہوں نے بچہ پیدا ہونے پر اس کا نام عبدالحارث رکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "جَعَلاَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا" (انہوں نے اس عنایت میں دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا) کی یہی تفسیر ہے۔ [1]

⬅ معروف تھا۔ باقی رہا بعض صحابہ کا یہ (عبدالمطلب) نام رکھنا تو اس بارے میں صحیح یہ ہے کہ ان کا نام عبدالمطلب نہیں بلکہ صرف "مطلب" تھا۔ بعض راویوں کی غلطی سے وہ اصل نام (مطلب) کی بجائے "عبدالمطلب" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

[1] (اس واقعہ کو حافظ ابن کثیر اور علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۳۶۴ اور السلسلہ الضعیفہ: رقم: ۳۴۲

آدم و حوا علیہما السلام کے بچے کی عطا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا مفہوم یہی ہے کہ انہوں نے اس کا نام "عبدالحارث" رکھا اور حارث ابلیس کا نام ہے۔ آدم و حوا علیہما السلام کی یہ پہلی غلطی نہ تھی بلکہ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ غلطی کر چکے تھے۔ ایک حدیث میں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان نے دو مرتبہ آدم و حواء علیہما السلام کو دھوکہ دیا اور یہ سلف کے ہاں معروف ہے۔

اس لیے اس آیت میں "شرکاء" سے "شرک فی العبادت" نہیں بلکہ "شرک فی الطاعۃ" مراد ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر گناہ گار شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور بندے سے جو بھی گناہ صادر ہوتا ہے وہ شرک فی الطاعۃ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے ان کی شان اور مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا تھا۔ اہل علم کے ہاں یہ بات معروف ⬅

ابن ابی حاتم ہی نے قتادہ رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے' وہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں' آدم و حوا علیہما السلام نے شیطان کا صرف کہا مانا تھا' اس کی عبادت نہیں کی تھی' یعنی ان کا یہ شرک "شرک فی الطاعۃ" تھا نہ کہ "شرک فی العبادۃ۔"

نیز ابن ابی حاتم ہی نے صحیح سند کے ساتھ مجاہد رحمہ اللہ سے "لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا" کی تفسیر میں بیان کیا ہے "آدم و حوا کو خدشہ تھا کہ مبادا ہمارا بچہ انسان نہ ہو۔" حسن بصری اور سعید رحمہما اللہ وغیرہ اہل علم سے اسی قسم کے اقوال مروی ہیں۔

مسائل

① اس بحث سے ثابت ہوا کہ ہر وہ نام جس میں غیراللہ کی طرف عبدیت کی نسبت ہو' حرام ہے۔

② سورۂ اعراف کی آیت ۱۹۰ کی تفسیر بھی واضح ہوئی کہ شرکیہ نام رکھنا منع ہے۔

③ مذکورہ واقعہ میں آدم و حوا علیہما السلام کے جس شرک کا ذکر ہے وہ صرف بچے کا نام رکھنے کی حد تک تھا۔ حقیقی شرک نہ تھا۔

④ کسی کے ہاں صحیح و تندرست بیٹی کی ولادت بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

⑤ اسلافِ امت شرک فی الطاعۃ اور شرک فی العبادۃ کے مابین فرق رکھتے تھے۔

⬅ ہے کہ انبیاء کرام سے صغیرہ گناہوں کا صدور ممکن ہوتا ہے البتہ وہ اس پر مداومت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اس سے جلد ہی رجوع کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ بلکہ ایسے واقعہ کے بعد ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پہلے کی نسبت زیادہ ہی ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں شرک سے "شرک فی الطاعۃ" مراد ہے نہ کہ "شرک فی العبادۃ"۔